12 مسائل

- دو ہاتھ سے مصافحہ
- سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا
- نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا
- نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ
- رفع یدین نہ کرنا
- زیرناف ہاتھ باندھنا
- آہستہ آمین کہنا
- سجدہ میں جانے کا طریقہ
- جلسہ استراحت سنت ہے یا نہیں؟
- سجدہ میں زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا سنت ہے
- التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ
- امام کے پیچھے قرآت نہ کرنا

شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا منیر احمد منوّر دامت برکاتہم

امیر اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

ناشر مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ

87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

0321-6353540

DifaAhleSunnat.com

علماء حق علماء دیوبند

دِفاعِ اہلسنت

دفاعِ صحابہ کرامؓ و دفاعِ اہل سنت دیوبند وقت کی اہم ترین ضرورت؟

- یوٹیوب کے اُردو بیانات
- نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- آن لائن دروس، نماز کے مسائل
- آن لائن پی ڈی ایف کتابیں
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موضوعات پر بیانات
- نماز کے مسائل پر کتابیں
- قرآن کریم کی تلاوتیں
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موضوعات پر کتابیں

DifaAhleSunnat.com

فہرست

☆ مقدمہ ________ 4

☆ چند ضروری امور ________ 8

☆ غیر مقلدین سے گفتگو کے آداب ________ 12

1: دو ہاتھ سے مصافحہ ________ 19

2: سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ________ 24

3: نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ ________ 27

4: نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا ________ 31

5: نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ________ 33

6: قراۃ خلف الامام پر دوام ہے یا ترک ________ 35

7: آمین آہستہ کہنا مسنون ہے ________ 47

8: رفع یدین پر دوام ہے یا ترک ________ 50

9: سجدہ میں جانے کا طریقہ ________ 54

10: جلسہ استراحت سنت ہے نہیں ________ 56

11: سجدہ سے زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا سنت ہے ________ 60

12: التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ ________ 62

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ :

بات چیت دینی مسئلہ میں ہو یا دنیوی مسئلہ میں، اگر با اصول ہو تو مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے اور اگر بے اصول ہو تو غیر مفید، بے نتیجہ اور ضیاع وقت۔ اس لئے اہل السنّت والجماعت اور غیر مقلدین کے درمیان نزاعی مسئلہ پر گفتگو کرنے سے قبل مناسب ہے کہ فریقین کے مسلمہ اصول تحریر کر دیے جائیں تا کہ جب بھی اہل السنّت والجماعت اور غیر مقلدین کسی نزاعی مسئلہ پر زبانی یا تحریری بات چیت کریں تو ہر فریق اپنے ان اصولوں کی پابندی کرے اور ان اصولوں میں رہ کر گفتگو کرے۔

غیر مقلدین کے تین اصول:

1- غیر مقلدین کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں:

ا: قرآن ۲: حدیث

تیسری کوئی دلیل نہیں ان کا دعویٰ ہے: ''اہل حدیث کے دو اصول۔ فرمان خدا فرمان رسول۔'' غیر مقلدین حضرات کے پیشوا مولانا محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں:

''برادران! آپ کے دو ہاتھ ہیں اور ان دونوں میں دو چیزیں شریعت نے دی ہیں ایک میں کلام اللہ اور دوسرے میں کلام رسول اللہ...... اب نہ تیسرا ہاتھ ہے نہ تیسری چیز۔''

2- غیر مقلدین کے نزدیک نبی ہو یا امتی کسی کی رائے و قیاس حجت و معتبر نہیں غیر مقلدین کے پیشوا جناب مولانا محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں:

''سنیے جناب! بزرگوں کی مجتہدوں کی اور اماموں کی رائے، قیاس، اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ حجت نہیں۔''

(طریق محمدی؛ص 57 طبع لاہور)

اور غیر مقلد عالم محمد ابوالحسن صاحب لکھتے ہیں:

''قیاس نہ کیا کرو! کیونکہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا۔''

(الظفر المبین؛ص14)

3- غیر مقلدین کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے۔ غیر مقلدین کے عظیم محقق مولانا محمد ابوالحسن لکھتے ہیں:

دوستو! آخر خدا سے معاملہ پڑتا ہے، خوب سوچ سمجھ لو، ان کتابوں اور اس تقلید کو چھوڑ دینے سے زیادہ سے زیادہ نقصان آپ کو دنیا میں یہی پہونچ سکتا ہے کہ کوئی دو چار ٹیڑھی ترچھی آپ کو سنا دے، لیکن ان کتابوں اور اس تقلید کے پیچھے لگے رہنے سے خدا کے رسول ﷺ کی حکم عدولی لازم آتی ہے جس کا بڑا خمیازہ اگر اس جہاں میں نہیں تو اس جہاں میں ضرور بھگتنا پڑے گا، ﴿وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱) مقصود یہ ہے کہ برائی اور بدی کرنے والا خود تو ڈرے نہیں اور دوسرے جو اس فعل سے بری اور بیزار ہیں ڈریں اس کے کیا معنیٰ؟ حق تو یہ ہے کہ اسے ڈرنا چاہئے جو مجرم ہے نہ اسے جو بے جرم ہے، اللہ ہمیں اپنی نافرمانی اور اپنے رسول کی مخالفت سے نجات دے اور نیک توفیق اور بھلی سمجھ کے ساتھ ضمیر کو آزادی دے۔

الٰہی دے اثر ایسا میری بیتابی دل میں　　چلے آئیں کلیجہ تھام کر وہ میری محفل میں

سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے، قیاس، اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر خدا ﷺ بھی اپنی طرف سے بغیر وحی الٰہی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں، بلکہ خداوند جل وعلا فرماتا ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (۲)

یعنی اگر ہمارے نبی بھی ہمارے اس دین میں وہ باتیں گھڑ کر کہہ دیں جو ہم نے نہیں کہیں تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ جان کاٹ دیں اور تم میں سے کوئی انہیں ہمارے اس عذاب سے نہ بچا سکے۔

قرآن حکیم خود آپ کو حکم دیتا ہے کہ ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (۳) یعنی لوگوں میں خدا کی اتاری ہوئی وحی سے فیصلے کیا کرو، اور ان کے خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

(۱) الانعام ۶/۸۱　(۲) الحاقۃ ۶۹/۴۴-۴۷　(۳) المائدۃ ۵/۴۹

رسول کی حدیث تمہیں بتاتا ہوں اور تم نبی ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں ابراہیم نخعی کا قول بیان کرتے ہو، تم اس قابل ہو کہ جب تک یہ بات کہنے سے باز نہ آؤ تمہیں قید میں رکھا جائے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے یوسف بن عیسیٰ کو وکیع سے نقل کرتے ہوئے سنا کہ جس وقت وکیع نے وہ حدیث بیان کی (جس میں نبی ﷺ کے اِشعار کرنے کا ذکر ہے) تو انہوں نے ساتھ ہی کہا کہ اس بارے میں اہل رائے کے قول کی طرف مت دیکھو کیونکہ اِشعار سنت ہے اور اہل رائے کا قول بدعت ہے۔

(۱) مالک بن مغول نے مجھے شعبی کے حوالہ سے کہا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کریں وہ لے لو اور جو وہ اپنی رائے سے کہیں پس اس کو پائخانے میں ڈال دو۔[۱]

(۲) عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ تم پر جو برس بھی آئے گا گزرنے والے برس سے برا ہو گا۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری مراد یہ نہیں کہ پہلے بہت ارزانی تھی جو بعد میں نہ ہو گی یا پہلے امیر بہت اچھے تھے جو پھر نہ ہوں گے بلکہ میری مراد علماء اور فقہاء ہیں کہ بعد کے ادوار میں تم سلف جیسے علماء و فقہاء نہ پاؤ گے بلکہ تمہیں علماء کی اس قوم سے واسطہ پڑے گا جو معاملے کو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔

(۳) ابن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان ہے اور سورج اور چاند کی عبادت جو کی گئی ہے تو یہ قیاس کی بدولت ہی ہے۔[۲]

(۴) حسن بصری ؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (سورہ ص) پڑھی جس کا ترجمہ ہے "تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔" پھر حضرت حسن ؒ نے کہا کہ شیطان نے قیاس کیا اور دین میں قیاس کرنے والوں میں سے وہ سب سے پہلا ہوا۔

(۵) مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں قیاس کرنے سے ڈرتا ہوں مبادا میرا پاؤں پھسل جائے۔[۳]

(۶) امام شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اگر قیاسات پر عمل کرو گے تو حلال کو حرام کر لو گے اور حرام کو حلال۔[۴]

(۷) مشہور مفسر مجاہد سے منقول ہے کہ عمر فاروق ؓ نے کہا کہ تجھے قیاس کرنے سے ڈرنا چاہیے۔[۵]

فائدہ: دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب[۶] میں لکھا ہے کہ ائمہ طاہرین قیاس کرنے کو حرام سمجھتے تھے اس لیے کہ شعرانی نے لواقح میں بیان کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہ ؒ جعفر بن محمد کے پاس گئے تو جعفر نے امام صاحب سے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ قیاس کیا کرتے ہیں۔ قیاس نہ کیا کرو کیونکہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا ہے۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ واحدی نے بسیط میں ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شیطان کے لیے قیاس کرنے سے اطاعت کرنا بہت بہتر تھا لیکن اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور قیاس کیا اور جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ

---

(۱) سنن دارمی ص۔۲۶
(۲) سنن دارمی ص۔۲۵ و اعلام الموقعین ج۔۱ ص۔۹۳
(۳) سنن دارمی ص۔۲۵
(۴) سنن دارمی ص۔۲۶ و اعلام الموقعین ج۔۱ ص۔۹۳
(۵) یہ تمام روایات سنن دارمی میں موجود ہیں
(۶) دراسات اللبیب ص۔۲۳

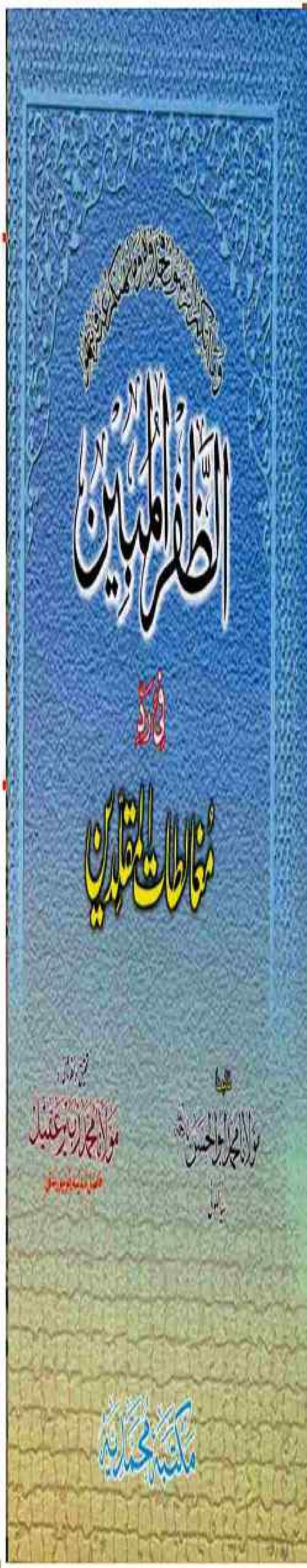

''اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تقلید خواہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی، شرک ہے۔''

(الظفر المبین؛ص 20)

نیز غیر مقلدین حضرات کے پیشوا مولانا محمد جونا گڑھی سوال و جواب کے عنوان سے ایک مسئلہ لکھتے ہیں: ملاحظہ کیجیے!

سوال 40: کیا یہ صحیح ہے کہ جس وہابی (غیر مقلد) کا باپ حنفی ہو کر مرا وہ یہ دعا نہ پڑھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ.

جواب: مشرکین کے لیے دعا مغفرت ناجائز ہے۔

(سراج محمدی؛ص 47 طبع لاہور)

اور اسی سراج محمدی کے ص 12 پر نمایاں سرخی قائم کی ہے: ''تقلید شرک ہے۔'' غیر مقلد محقق مولانا محمد ابوالحسن صاحب تقلید کی تعریف یوں لکھتے ہیں: ''تقلید کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل کے کسی کے حکم کو مان لینا اور یہ دریافت نہ کرنا کہ یہ حکم خدا اور اس کے پیغمبر کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔''

(الظفر المبین؛ص 15)

فائدہ نمبر 1: چونکہ غیر مقلدین حضرات اپنے ان مذکورہ بالا تینوں اصولوں کا برملا اعلان و اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ان اصولوں کا ثابت کرنے کے لیے کتب غیر مقلدین کے حوالہ جات کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ تاہم اپنی بات کو پختہ کرنے کے لیے ہم نے بطور مشتے نمونہ از خروارے۔ ان کی چند معتبر کتابوں کے حوالے تحریر کر دیے ہیں۔

29 مارچ 1937ء کو غیر مقلدین حضرات نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد کی جس میں مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے اہل حدیث کی علمی خدمات پر مشتمل ایک تفصیلی مقالہ پیش کیا جو پہلے ہندوستان میں پھر بعد از تقسیم پاکستان میں ''ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات'' کے نام سے خود اہل حدیث حضرات نے شائع کیا۔

اس کتاب میں جن کتب کی فہرست پیش کی گئی ہے وہ ان کی معتبر جماعتی کتب ہیں اور جماعتی عقائد و مسائل کی حامل ہیں ورنہ یہ حضرات ان کتابوں کو اہل حدیث کی علمی خدمات میں شمار نہ کرتے ہم نے جن کتب کا اوپر حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے الظفر المبین کا ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات کے ص 60 پر اور طریق محمدی کا ص 72 اور سراج محمدی کا ص 69 پر اندراج ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ (النسآء۔۱۱۶)

اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اس کے سوا اور سب کچھ معاف کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

فائدہ: یہ دونوں آیات اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ مشرک ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جلتا رہے گا اور اس کی بخشش کبھی نہ ہو گی۔ اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تجھے جلایا جائے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

چنانچہ ابن ماجہ [1] میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ وصیت کی مجھ کو میرے دوست نے یعنی رسول اللہ ﷺ نے کہ نہ شریک کر تو اللہ کے ساتھ کسی کو اگرچہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور تجھے جلایا جائے۔ اور اس بات میں کچھ بھی شک نہیں کہ تقلید خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی شرک ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور دوسرے علماء بھی اسی مسلک کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ معین الدین نے دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب [2] میں لکھا ہے کہ ابن غرنے ہدایہ کے حاشیہ میں کہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور خاص شخص کے مذہب پر اڑا رہے اور یہ سمجھے کہ دوسرے ائمہ کے علاوہ اسی کی بات صحیح واجب الاتباع ہے۔ پس وہ گمراہ جاہل ہے بلکہ کافر ہی ہو جاتا ہے اس سے توبہ کروانی چاہیے۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کیا جائے کیونکہ جب اس نے اس بات کا اعتقاد رکھا کہ لوگوں پر دوسرے تمام ائمہ کے سوا صرف ایک ہی امام کی پیروی کرنا واجب ہے تو اس نے گویا اس کو بمنزلہ نبی اکرم ﷺ کے ٹھہرایا اور یہی کفر ہے۔

اسی طرح علامہ ہارون مرجانی حنفی [3] نے یہی بات کہی ہے اور شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ [4] میں لکھا ہے کہ اگر کسی صحیح حدیث سے کسی بزرگ یا امام کا کوئی قول ٹکرائے تو ایسی صورت میں اس حدیث سے منہ نہیں موڑا جائے گا بلکہ اس بزرگ یا امام کے قول کو ترک کر دیا جائے گا۔ مزید فرمایا کہ قرآن مجید کی کسی آیت کو یا کسی حدیث رسول کو' کسی بزرگ یا امام کے قول کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں اور جو شخص ایسا کرے گا اس کی گمراہی میں کوئی شک نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے خارج ہے۔

عبدالوہاب شعرانی نے کہا کہ میں نے اپنے سردار علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے کہ جو مومن ہمیشہ ایک ہی مذہب کا مقلد رہے اس کا عمل شریعت کے ساتھ مکمل نہیں ہوتا۔ [5]

امام طحاوی جو اکابر حنفیہ اور تیسری صدی کے علماء میں سے ہیں' فرماتے ہیں کہ کیا ہر وہ بات جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے میں بھی کہوں اور کیا کسی متعصب اور کند ذہن آدمی کے سوا اور بھی کوئی تقلید کی روش اختیار کرتا ہے؟ اس قصہ کو حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے پھر ابن حجر نے کہا ہے کہ امام طحاوی کی بات مصر میں اڑ گئی (اور) یہاں تک (مشہور

---

(۱) مشکوۃ کتاب الصلوۃ فصل ثالث ج۔۱ص۔۱۸۳'حدیث۔۸۵۰ (حسن)

(۲) دراسات اللبیب ص۔۲۵

(۳) ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق ص۔۳۶

(۴) فتوحات مکیہ ومعیار الحق ص۔۸۶

(۵) میزان شعرانی۔

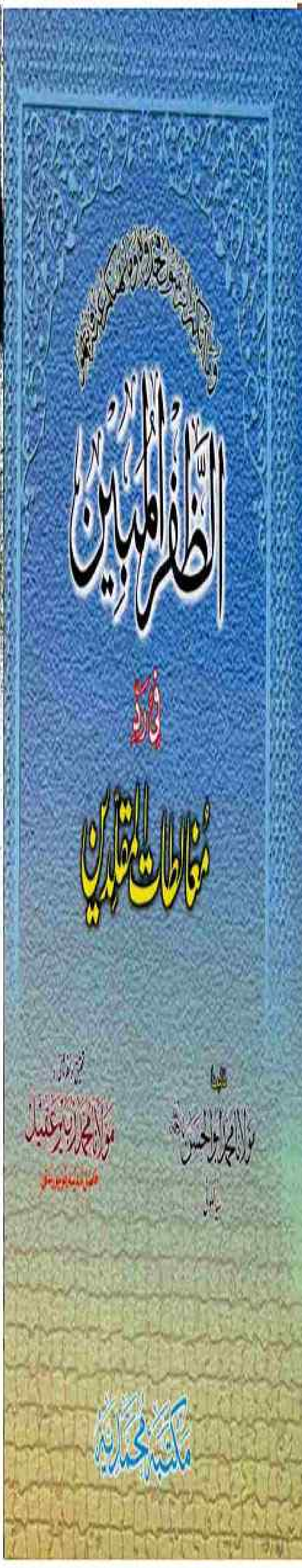

کہ کیا میں امام ابو حنیفہؒ کے مسائل اور ان کے ساتھیوں کے مسائل کو دیکھوں۔ اور ان پر عمل کروں! آپ نے فرمایا۔ نہیں، نہیں، نہیں، تین مرتبہ انکار فرمایا۔ میں نے پھر پوچھا۔ کہ اچھا آپ کی اور صحابہ کی حدیثوں کو دیکھوں اور ان پر عمل کروں آپ نے فرمایا۔ ہاں، ہاں، ہاں تین مرتبہ فرمایا۔ پس میں آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ فقہ حنفی کو چھوڑ کر حدیث پہ عمل کریں۔ ؎

کچھ مجھ سے سیکھو روش گفتگوئے شوخ؛ پھر داستاں بنو گے ابھی بے زباں ہو

اگر اسی قسم کے بہت سے اقوال آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو میری کتاب "طریق محمدی" ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۰) کیا یہ صحیح ہے کہ جس وہابی کا باپ حنفی ہو کر مرا ہو وہ یہ دعا پڑھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ۔

جواب۴۰۔ مشرکین کے لئے دعاء مغفرت ناجائز ہے۔ قرآن فرماتا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (توبہ آیت ۱۱۳) یعنی نبی کو اور مومنوں کو اپنے مشرک قرابت داروں کے لئے بھی دعاء مغفرت نہ مانگنی چاہیے۔ ہاں اگر قرابت دار مشرک نہ تھے خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں۔ ان کے لئے ضرور دعا مانگنی چاہیے۔

مشرکوں کیلئے استغفار منع ہے

(۴۱) تکمیل دین کے بعد فرقہ اہلحدیث اور ان کے اجتہاد جدید کی کیا ضرورت تھی؟

جواب۴۱۔ اہلحدیث کوئی جدید فرقہ نہیں۔ نہ انہوں نے اپنے جدید اجتہاد پھیلائے ہیں۔ یہ تو اسی مکمل دین کی محافظ پابند اور پھیلانے والی ایک جماعت ہے جو دین کے ساتھ رہتی چلی آئی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ملاحظہ ہو جواب نمبر ۳۹، ۳۲، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲، ۳۔

(۴۲) اہلحدیث کہلانا فرض ہے یا حرام؟ ....

اہلحدیث کوئی نیا فرقہ نہیں

یہ کتاب محمد سلیمان جوناگڑھی مکتبہ محمدیہ مبلغ چھ روپے بھیجکر حاصل کریں۔

سراج محمدی

مصنفہ

خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

رحمۃ اللہ علیہ

حسب فرمائش

(مولانا) حافظ عبدالرحمان جوناگڑھی

و حافظ عبداللہ جوناگڑھی

ملنے کا پتہ

مولانا محمد سلیمان ابن مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

مکتبہ محمدیہ اورنگی ٹاؤن سیکٹر ۱۱۔ای
پلاٹ نمبر ۳۶۳ کراچی۔۳۱

مصنف کی جملہ تصانیف و تراجم کے جملہ حقوق بحق وارثان محفوظ ہیں

ر مقلد کی دلیل یہی ہے کہ وہ کہہ دے میرے امام نے یہ کہا۔ یا کیا ہے۔ یہی بات ان کفا
میں تھی۔ وہ جہاں اپنے باپ دادوں کے روش کے مقلد تھے۔ وہاں اپنے علماء صلحا
کی فقہ کے بھی مقلد تھے۔ قرآن کہتا ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّن
دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ آیت ۲۹) یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا لیا تھا
ترمذی شریف میں ہے کہ یہ خدا بنانا یہی تھا۔ کہ جو وہ کہیں یہ بے دلیل طلب کئے ا
لیتے تھے۔ بس یہ آیت اور اسی قسم کی جتنی آیتیں قرآن کریم میں ہیں سب رد تقلید ہی
میں نازل ہوئی ہیں۔ اور بڑے بڑے مفسرین نے ان سے تقلید کے رد کا اثبات
کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث ان آیتوں کو مقلدین کی تردید میں لاتے ہیں۔
گو آپ کو اب تک اس کا علم نہ تھا۔ اور ہو کیسے؟ ؎

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارا دن ہ خبر ہی کیا انہیں کیونکر کٹے ہمارے دن

(۷) کفار کا یہ قول ...... اتباع سلف کا مترادف ہے یا تقلید امام کا؟

جواب۔ ہم اوپر جواب نمبر میں ثابت کر آئے ہیں۔ کہ یہ عمل کفار کا تقلیدی تھا
جس کی مذمت قرآن پاک نے کی۔ اور جسے شرک ٹھہرایا۔

(۸) تقلید شخصی کے امتناع پر کوئی صریح حدیث یا آیت پڑھ دیجئے۔

جواب۔ آیتیں حدیثیں تو بہت سی خدا کے فضل و کرم سے میں اپنے رسالہ بنام
طریق محمدی میں لکھ چکا ہوں اسے ملاحظہ فرمایئے۔ اور سردست ایک حدیث
صریح تو یہ سننے چاہیئے۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا تُقَلِّدُوْا لِعَالِمٍ دِيْنَكُمْ (اوسط طبرانی) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دینی امور میں کسی عالم کی تقلید
مت کرو۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔ یعنی قرآن و
حدیث کے علاوہ کسی اور محبوب کی تابعداری میں نہ لگو۔

سراج محمدی

مصنفہ

خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

رحمۃ اللہ علیہ

(مولانا) حافظ عبدالرحمان جوناگڑھی

و حافظ عبداللہ جوناگڑھی

مولانا محمد سلیمان ابن مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

مکتبہ محمدیہ اورنگی ٹاؤن سیکٹر ۱۱ ای
پلاٹ نمبر ۳۶۳ کراچی ۲۱

شیطان ہی ہے۔ لہٰذا قیاس کی بناء پر کافر قرار پایا پس جو شخص دین کی بات میں اپنی رائے سے کسی طرح بھی قیاس کرے اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے قریب کر دیں گے۔

نسفی نے تفسیر مدارک میں کہا ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے امر دین میں قیاس کرنا مردود ہے۔

دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب میں لکھا ہے کہ رائے کی بناء پر نص کو ترک کرنا بالاجماع حرام ہے۔

چوتھا مغالطہ

جو مسائل احادیث سے ثابت نہیں' ان کیلئے فقہ پر عمل کرنا ضروری ہے

ائمہ کے مقلدین حدیث پر چلنے والوں کو ایک مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ حدیث کے جو مسئلے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان پر تو حدیث پر چلنے والے عمل کر ہی لیں گے لیکن جو مسئلے حدیث سے ثابت نہیں ہیں ان کے لیے کیا کریں گے' آخر کار فقہ کی کتابوں پر ہی عمل کریں گے اور کسی نہ کسی امام ہی کے مقلد بنیں گے۔

جواب: اگر کوئی شخص غور سے ازراہ تحقیق قرآن اور حدیث کی طرف نظر کرے اور دیکھے تو ہر ایک مسئلہ قرآن اور حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کسی مسئلہ کے لیے بھی کسی کو مسائل فقہیہ کی حاجت نہیں رہے گی لیکن جسے بسبب کم علمی یا قصور فہم یا قلت تدبر کے قرآن اور حدیث سے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو ایسے شخص کو (اللہ تعالیٰ کے حکم فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل۔ ۴۳) "اگر کوئی بات تمہیں معلوم نہ ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ لو" کے مطابق) کسی محدث' مجتہد' فقیہ' قاضی' مفتی یا عالم سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ لینا چاہیے۔ ایسے مواقع پر مجبوراً کسی کی تقلید کرنا جائز ہے لیکن اس تقلید کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کی فکر میں رہے اور محض اسی پر خاطر جمع کر کے نہ بیٹھ رہے پھر جب قرآن و حدیث کے مطابق مسئلہ کا حل مل جائے تو اس کے بعد تقلید کرنا حرام بلکہ شرک ہوگا۔ اس لیے کہ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل کے کسی کے حکم کو مان لینا اور یہ دریافت نہ کرنا کہ آیا یہ حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ سو جو لوگ بغیر دلیل کے اپنے علماء اور مشائخ اور ائمہ کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اور اس کی تحقیق نہیں کرتے گویا وہ ان علماء' مشائخ اور اماموں کو صاحب شریعت مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے صریح خلاف عمل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (سورۃ انعام۔ ۵۷) "حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔" یعنی یہ کسی کی شان نہیں اور کسی کا مرتبہ نہیں کہ وہ مخلوق پر اپنی طرف سے اپنا حکم جاری کرے اور خلق پر واجب ہو کہ اس کا حکم مانے اس لیے کہ تمام مخلوقات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر حکم بھی اسی کا چاہیے اور مخلوق کو اسی کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی عالم' فاضل' مخدوم' مشائخ اور امام کا حکم مخلوق الٰہی پر جاری نہیں ہو سکتا مگر ہاں! جس کی فرمانبرداری کا اللہ تعالیٰ حکم دے دے تو اس کا حکم ماننا چاہیے تو وہ اس کا حکم اس کی طرف سے نہ ٹھہرا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ٹھہرا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم مانو اور رعایا کو حکم دیا کہ اپنے بادشاہ کا حکم مانو اور عورت کو حکم کیا

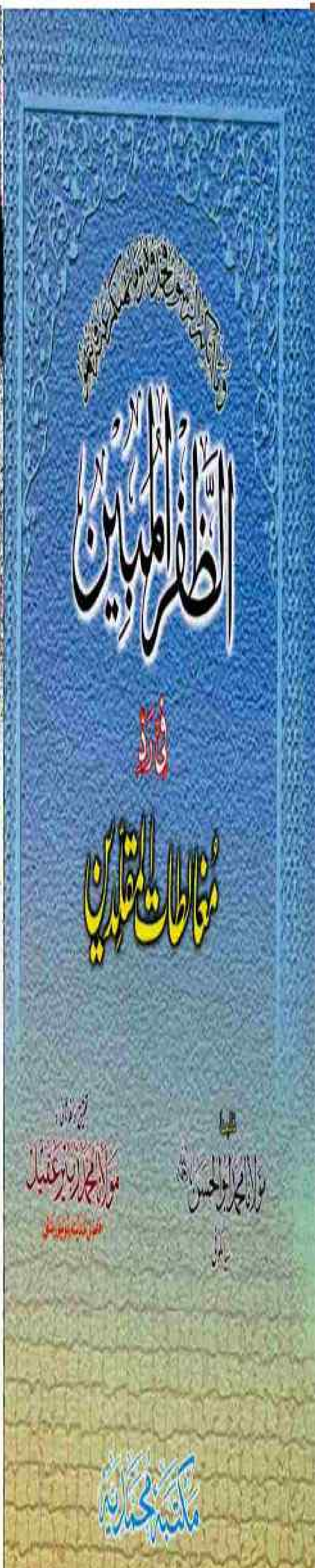

فائدہ نمبر 2: چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتی کی تقلید شرک ہے اور قیاس کرنا شیطان کا کام ہے لہذا غیر مقلدین حضرات اپنے ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے راویوں کی بحث میں حدیث کے ضعف وصحت میں، حدیث کی وضاحت وتشریح میں کسی امتی کا قول اور اس کی رائے پیش نہ کرسکیں گے۔ نیز قرآن کی آیت اور حدیث کا صرف ترجمہ کریں گے۔ وضاحت کے بہانے اس میں اپنی رائے شامل نہ کرسکیں گے جب وہ حدیث کا ترجمہ کر کے اپنا مطلب کشید کرنے کے لیے اپنی تقریر شروع کردیں تو حقیقت میں وہ ان کی اپنی رائے ہوتی ہے۔

لیکن یہ لوگ اپنی رائے کا نام حدیث رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً: ''**لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔**'' (بخاری؛ ج 1 ص 104) کے بارے میں امام احمدؒ اور سفیان بن عیینہؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے یعنی منفرد کی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی لیکن غیر مقلدین کے نزدیک حدیث میں لفظ ''مَنْ'' عام ہے۔ مقتدی، منفرد اور امام سب کو شامل ہے یہ ان کی رائے ہے اس عموم کی اللہ نے صراحت کی ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ لیکن وہ اس کو حدیث کا نام دے دیتے ہیں اس لیے جب وہ امتی کا قول پیش کریں یا امتی کی رائے پیش کریں یا اپنی رائے شامل کریں تو پہلے ان سے تقلیدی شرک اور قیاس والی شیطانیت سے توبہ کرائیں پھر آگے بات چلائیں۔

اہل السنّت والجماعت کے چار اصول:

اہل السنّت والجماعت حنفی ہوں یا شافعی، حنبلی ہوں یا مالکی، سب کے نزدیک شرعی احکامات ثابت کرنے کے لیے چار دلیلیں ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماع امت، قیاس شرعی۔ یعنی شریعت کے بعض احکام کتاب اللہ سے ثابت ہیں بعض سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض اجماع سے جبکہ بعض قیاس شرعی سے ثابت ہوتے ہیں۔ قیاس شرعی کا مطلب ہے کہ کتاب وسنت میں مذکور حکم یا اجماعی حکم کے ضمن میں مخفی ومستور قاعدہ کلیہ کو تلاش کر کے غیر منصوص مسئلہ کو اس قاعدہ کلیہ کے ذریعے حل کرنا اور اس کا حکم شرعی معلوم کرنا۔ مثلاً: ''حدیث پاک میں ہے کہ کھانے میں اگر مکھی گر جائے تو غوطہ دے کر اس کو نکال دو اور کھانا کھالو۔'' اگر کھانے میں مکوڑا، بھڑ، ٹڈی، مچھر، جگنو، وغیرہ گر جائیں تو کیا حکم ہے؟

چونکہ ان چیزوں کا حکم صراحتاً نہ کتاب وسنت میں ہے نہ اجماع سے ثابت ہے اس لیے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قیاس شرعی کے ذریعے ان کا حکم بتایا ہے۔ اس طور پر کہ انہوں نے

مکھی کے بارے میں جو حکم منصوص ہے اس کے اندر غور کیا تو ان کو اس منصوص حکم کے ضمن میں ایک مخفی قاعدہ کلیہ مل گیا وہ یہ کہ مکھی کی وجہ سے کھانا اس لئے حرام و ناپاک نہیں ہوتا کہ اس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون موجود نہیں۔

لہذا تمام ایسی چیزیں جن کی رگوں میں گردش کرنے والا خون نہیں ان کا حکم بھی مکھی والا ہوگا۔یعنی ان کو نکال دو اور کھانے پینے کی چیزیں کھا پی لو لیکن غوطہ دے کر نکالنا مکھی کی خصوصیت ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اس کے ایک پَر میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء۔وہ گرتی ہے تو ہمیشہ بیماری والا پَر پہلے ڈبوتی ہے لہذا نکالنے سے پہلے اس کو غوطہ دے دیا جائے تاکہ شفاء والا پَر بھی ڈوب جائے جبکہ اس نوع کی باقی چیزوں میں یہ بات نہیں ہے اس لیے ان کو غوطہ دینے کی ضرورت نہیں۔سو قیاس شرعی سے مراد محض قیاس آرائی نہیں جیسا کہ غیر مقلدین حضرات نے سمجھ رکھا ہے اور اپنی اس کوتاہ فہمی یا کج فہمی کی بناء پر لوگوں کو قیاس کے حوالے سے مجتہدین و فقہاء سے متنفر کرنے کی روش اپنا رکھی ہے۔

☆☆☆

چند ضروری امور

امر اول:

اہل السنّت والجماعت بلکہ تمام عقلاء کے نزدیک ہر فن میں اس فن کے ماہرین کی رائے معتبر ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹری کے مسئلہ میں ڈاکٹر کی، انجینئرنگ کے مسئلہ میں انجینئر کی، زراعت کے مسئلہ میں ماہر زراعت کی، گرائمر میں ماہرین صرف ونحو کی، لغت میں ماہرین لغت کی رائے معتبر ہوگی اور احادیث کی صحت وضعف میں علم حدیث کے ماہرین کی رائے کا اعتبار ہوگا البتہ یہ بات خوب سمجھنی اور یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث کی صحت وضعف کی دو قسمیں ہیں۔

1: صحت وضعف بحسب السند

2: صحت وضعف بحسب العمل

یعنی جو حدیث معمول بہ ہے، وہ صحیح ہے۔ جو حدیث متروک وغیر معمول بہ ہے، وہ ضعیف ہے۔ اسی معنی میں امام اعظم ابو حنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ کے ساتھ رفع یدین کے مناظرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث کو ضعیف کہا تھا اور امام مالکؒ نے رفع یدین کی تمام حدیثوں کو ضعیف کہا ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ؛ ج 1: ص 71) ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث سنداً بالکل صحیح بلکہ اصح الاسانید ہے ان دو قسموں کو یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے صحت وضعف اسنادی اور صحت وضعف واقعی۔ اسی طرح ماہرین علم حدیث کی بھی دو قسمیں ہیں: محدثین اور مجتہدین۔ محدثین کی مہارت اور ان کی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے یعنی وہ رواۃ حدیث کے تاریخی حالات کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے سند کا درجہ متعین کرتے ہیں کہ یہ سند موضوع ہے یا غیر موضوع؟ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ پھر غیر صحیح ہو کر حُسن ہے یا ضعیف؟ صحت کس درجہ کی ہے اور ضُعف کس درجہ کا۔ اسی طرح بعض دفعہ محدث مختلف سندوں کے ساتھ روایت کردہ حدیث میں الفاظ حدیث کے اختلاف وفرق کو بھی بیان کرتا ہے کہ فلاں راوی کی حدیث میں یہ لفظ ہے اور فلاں راوی کی حدیث میں یہ لفظ ہے۔ جبکہ مجتہدین کی تحقیق کا دائرہ اس سے وسیع تر ہے وہ پانچ امور میں تحقیق کرتے ہیں:

1- ثبوت وعدم ثبوت (یعنی بنیادی طور پر یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟)

2- احادیث کے معانی کی تشریح وتوضیح۔

3- حدیث معمول بہ ہے یا غیر معمول بہ؟ درجہ عمل میں متروک ہے یا غیر متروک

4- حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین یعنی وہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب؟ مباح ہے یا مکروہ؟ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ یا حرام؟

5- اس حدیث سے متعارض دوسری احادیث کے تعارض وتضاد کو دور کرنا ان امور خمسہ کی تحقیق کے لیے ہر مجتہد کے اپنے اپنے اصول ہیں ہمارے امام ومجتہد سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان امور کی تحقیق کے لیے اسناد کے ساتھ آثار صحابہ کو بھی بنیاد بنایا ہے البتہ آثار صحابہ نہ ملنے کی صورت میں انہوں نے کتاب وسنت سے ماخوذ اپنے اجتہادی اصولوں سے اور خداداد فقاہت، فقہی مہارت اور نہایت اعلی درجہ کی اجتہادی صلاحیت سے بھی کام لیا ہے پھر امام اعظمؒ کے تلامذہ اور مابعد کے دیگر فقہاء حنفیہؒ نے آثار تابعین وتبع تابعین کو بھی شامل کرلیا ہے۔ پس امام اعظمؒ اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق شرعی احکامات سے متعلق جو معمول بہا احادیث تھیں اوران سے جو احکامات شرعیہ ثابت ہوتے تھے ان احکامات کو انہوں نے حسن ترتیب کے ساتھ ''کتاب الطہارۃ'' سے لے کر''کتاب المیراث'' تک ابواب وار جمع کردیا ہے احکامات شرعیہ کے اسی مجموعہ کو''فقہ'' کہا جاتا ہے۔

امر دوم:

احادیث کی صحت وضعف کے بارے میں ہمارا اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ حضرات نے آثار صحابہؓ اور آثار تابعین وتبع تابعین اور عملی تواتر کی روشنی و رہنمائی میں اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت جن جن احادیث کے معمول بہ وصحیح ہونے کا فیصلہ فقہی مسائل کی صورت میں دیا ہے، ہمارے نزدیک وہی صحیح ہیں۔ اگرچہ محدثین ان کو سند کے اعتبار سے ضعیف لکھ دیں اور جن حدیثوں کو ان حضرات نے غیر معمول بہا قرار دیا ہے، وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں۔ اگرچہ محدثین ان کو سنداً صحیح قرار دیں۔

سوال یہ ہے کہ پھر محدثین کی تحقیق سند کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ ''کذاب'' اور''وضاع'' لوگوں کو جھوٹی، من گھڑت حدیثیں بنانے کی جرأت نہ ہو۔ پس تحقیق سند کا خوف ان کے راستہ میں بڑی رکاوٹ ہے چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: ''اگر تحقیق سند کا سلسلہ نہ ہوتا تو جو آدمی جو کچھ چاہتا، وہ کہہ ڈالتا۔'' (مسلم،ص 12) حدیث کے صحت و ضعف کے بارے میں مجتہدین وفقہاء کے فیصلہ کو ترجیح دینے اور مقدم سمجھنے کی چند وجوہ ہیں۔

1- ہر شعبہ سے متعلق مسئلہ میں اس شعبہ کے ماہرین کا فیصلہ زیادہ وزن رکھتا ہے۔ محدثین کا شعبہ تحقیق سند ہے جبکہ مجتہدین وفقہا کا شعبہ تحقیق عمل ہے یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ یہ

حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ یہ حدیث زیر عمل آسکتی ہے یا نہیں؟ مجتہدین کا کام ہے۔ لہذا سند کی صحت وضعف میں محدثین کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ لیکن حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ یعنی معیار عمل کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ اس کے متعلق مجتہدین وفقہاء کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

2- اسناد کی تحقیق کے باوجود عمل بالحدیث کے لیے خود محدثین نے بھی مجتہدین وفقہاء کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ چنانچہ ہر محدث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کا مقلد ہے جیسا کہ غیر مقلد علامہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب ''الحطہ فی ذکر صحاح ستۃ'' میں مندرجہ ذیل محدثین کی فقہی وتقلیدی نسبت کی صراحت کی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

امام بخاریؒ شافعی ص 281، امام مسلمؒ شافعی ص 228، امام نسائیؒ شافعی ص 293، امام ابوداوٗد حنبلی وقیل شافعی ص 288، شیخ جیلانی حنبلی ص 300، ابن تیمیہ حنبلی ص 168، ابن قیم حنبلی ص 168، محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی ص 167، صاحب مشکوۃ شافعی ص 135، خطابی، نووی، بغوی شافعی ص 135، امام طحاوی حنفی ص 135، امام ابن عبدالبر مالکی ص 135، شیخ عبدالحق، خاندان ولی اللّٰہی حنفی ص 160 تا 163، ابن بطال مالکی ص 213، علامہ حلبی حنفی ص 213، علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالدائم شافعی ص 215، علامہ بدرالدین عینی حنفی ص 216، علامہ زرکشی شافعی ص 217، قاضی محبّ الدین احمد حنبلی ص 218، حافظ ابن رجب حنبلی ص 219، علامہ بلقینی شافعی ص 219، علامہ ابن مرزوقی مالکی ص 220 شافعی ص 220، علامہ قسطلانی شافعی ص 222، ابن عربی مالکی ص 224۔

3- محدثین کا سند کے اعتبار سے کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ، اجتہادی ہوتا ہے جس کی بنیاد رواۃ کے تاریخی حالات ہوتے ہیں اور مجتہدین کا عمل بالحدیث کے اعتبار سے حدیث کے ضعف یا صحت کا فیصلہ بھی اجتہادی ہوتا ہے لیکن اس کی بنیاد آثارِ صحابہؓ اور آثار تابعینؒ وتبع تابعینؒ ہوتے ہیں۔ دیکھ لیجیے! کس کے فیصلے کی بنیاد مضبوط ہے لیکن عجیب بات ہے کہ غیر مقلدین حدیث کے صحت وضعف اور رواۃ کے ثقہ وضعیف ہونے کے متعلق محدثین کے اجتہادی فیصلہ کی تقلید کرتے ہیں مگر حدیث کی تشریح اور حدیث کے معمول بہ ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کے اجتہادی فیصلے کو قبول نہیں کرتے بلکہ قبول کرنے والوں کو ''مشرک'' کہتے ہیں اور قبول کرنا تقلیدی شرک ہے۔

4- خود محدثین کو اعتراف ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں اسی طرح ہو کیونکہ بعض دفعہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح اور سچی ہوتی ہے۔

(مقدمہ ابن صلاح ص 8)

5- ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جن حدیثوں کو صحیح ومعمول بہا قرار دیا ہے وہ ان کے

الحطة في ذكر الصحاح الستة

« البخاري - مسلم - الترمذي - أبو داود - النسائي - ابن ماجة »
بالإضافة إلى مسند أحمد وموطأ مالك
ودراسات شاملة للعلوم الحديثية

تصنيف
أبي الطيب السيد صديق حسن خان القنوجي
المولود سنة ١٢٤٨ المتوفى سنة ١٣٠٧ رحمه الله عليه

دراسة وتحقيق
علي حسن الحلبي

دار الجيل
بيروت

دار عمار
عمّان

بلـ ام من نار (٣) وأن لا يقصدوا بالعلم الرياء والمباهاة والسمعة ولا يجعل
سبيلاً إلى الدنيا فإن الدنيا أقل من ذلك وأقل درجات العالم أن يدرك حق
الدنيا وخستها وكدورتها وانصرامها وعظم الآخرة ودوامها وصفاءها
و الحق إني لأعجب من عالم يجعل علمه مبيلاً إلى حطام الدنيا و
بر كثيراً من الجهال وصلوا من الدنيا إلى ما لا ينتهي هو إليه . ف
كا ت الدنيا تنال بالجهل فما بالنا نشتريها بأنفس الأشياء ، وهو العلم
فين ي أن يقصد به وجه الله تعالى والترقي إلى جوار الملأ الأعلى ، انته
ملخصاً .

---

(١) و عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي من علماء الشافعية
دمشق بالطاعون عام (٧٧١ هـ) له ترجمة في « الدرر الكامنة
/٤٢٥ ، وحسن المحاضرة » (١/١٨٢) ، وانظر الكلام عن كتا
ذكور في « كشف الظنون » (٢/١٧٤٤) .

(٢) ذا « الاصل » ، ولعل الصواب : وتتشعب كل ... او : ويتشعب
ل ... والله اعلم .

(٣) شير الى قوله صلى الله عليه وسلم : « من سئل عن علم فكتمه ا
جام من نار يوم القيامة » وقد روي عن عدد من الصحابة رضوان
يهم بالفاظ وأسانيد مختلفة ، منها ما رواه احمد (٢/٢٦٣ ، ٥
٣٤ ، ٣٥٣ ، ٤٩٥ ، ٤٩٦ ، ٤٩٩ ، ٥٠٨) والترمذي (٦٤٩
حسنه ، وابو داود (٣٦٥٨) وابن ماجه (٢٦٤) والحاكم (١ / ١٠
الطيالسي (٢٥٣٤) وابن عبد البرفي « الجامع » (١/٤) وابن حـ
٩٥ ـ موارد) والطبراني في الصغير (١/١١٤،٦٠) واسناده صـ
١ ٩٥ ـ موارد) والطبراني في الصغير (١/١١٤،٦٠) وهو صحيح لـ
شيخ عبيد الله الرحماني (١/٣٢٥) .

قلت : وقد ورد من طرق اخرى عن غير واحد من الصحابة وكلها لا تخل
ن مقال .

كما جزم به ابن كَيْكَلْدي العلائي (١) .

وفيه تخصيص حملة السنّة بهذه المنقبة العلية وتعظيم لهذه الأمة المحمدية
بيان لجلالة قدر المحدثين وعلو مرتبتهم في العالَمين ، لأنهم يحمون
شارع الشريعة ومتون الروايات من تحريف الغالين وتأويل الجاهلين بنقل
نصوص المحكمة لرد المتشابه إليها .

وقال النوويّ في أول « تهذيبه » (٢) : هذا إخبار منه صلى الله عليه
سلم بصيانة (هذا) (٣) العلم وحفظه وعدالة ناقليه ، وإن الله تعالى يوفق

وابن وضاح القرطبي في « البدع والنهي عنها » (١) والبيهقي في « سننه »
٢٠٩/١) و « مناقب الشافعي » (١/٧) و « المدخل الى السنن » وابن
ان في « الثقات » (٤/١٠) والحاكم في « المستدرك » كلهم عن ابراهيم
عبد الرحمن العذري مرسلا . ورواه عنه عن الثقة عن اشياخه مرفوعا
يهقي في « سننه » (١٠/٢٠٩) و « المناقب » (١/٨) وابن وضاح (٢)
ن عدي (١/١٥٣) وابن عساكر . ورواه ابن عدي في الكامل (١/١٥٢)
علي وعن ابن عمر .
وكلام المصنف حول الحديث مأخوذ من « ارشاد الساري » (١/٤)
حافظ القسطلاني وقال الحافظ ابن الوزير في « العواصم والقواصم »
٢٨٨/١) : وهو حديث مشهور صححه ابن عبد البر ، وروى عن احمد
حنبل انه قال : هو حديث صحيح ، وقال في (١/٢٩٢) : وقد رويت له
واهد كثيرة .. وضعفها لا يضر ، لان القصد التقوي بها ، لا الاعتماد
ها مع ان الضعف يعتبر به اذا لم يكن ضعيفا بمرة او باطلا او مردودا ،
نحو ذلك ، فهذه الوجوه مع تصحيح احمد وابن عبد البر ، وترجيح
عقيلي لاسناده مع امانتهم واطلاعهم يقتضي بصحته او حسنه ـ ان شاء
ه تعالى .
وللعلامة المرتضى الزبيدي رسالة اسمها « الروض المؤتلف في
ريج حديث يحمل هذا العلم من كل خلف » كما ذكر الكتاني في « فهرس
فهارس » (١/٥٣٩) ، وانظر شرح المصنف للحديث في « الدين الخالص »
٢٦١/ و ٥٤٥) .
) هو الامام العلامة صلاح الدين ابو سعيد خليل بن كيكلدى الشافعي
توفي رحمه الله سنة (٧٦١ هـ) ترجمته في « الدرر الكامنة (٢/١٧٩) ،
ذيل التذكرة ٤٣ ، ٣٦٠ طبقات السبكي ٦/١٠٤ ، وانظر « بغية
الملتمس » ص ٣٤ له .
) « تهذيب الاسماء واللغات » (١/١٧) .
) زيادة ليست في « التهذيب » .

كل العلوم سوى القرآن مشغلة … إلاّ الحديث وإلاّ الفقه في الدين
العلم ما كان فيه قال حدثنا … وما سواه فوسواس الشياطين (١)

ومن كلام أبي الفضل جعفر بن ثعلب الشافعي (٢) رحمه الله :

تباين الناس فيما قد رأوا ورووا … وكلهم يدعون الفوز بالظفر
فخذ بقول يكون النص ينصره … إمّا عن الله أو عن سيد البشر
وكل قول يكون النص يدفعه … فارفضه رفضاً وكن منه على حذر

وللخطيب أبي بكر (٣) رحمه الله :

إن علم الحديث علم رجال … تركوا الإبتداع للاتباع
فإذا جَنّ (٤) ليلهم كتبوه … وإذا أصبحوا غدوا للسماع (٥)

---

(١) « ديوان الشافعي » ١٣٨ وانظر « طبقات الشافعية » ١/٢٩٧ و« البداية والنهاية » ١٠/٢٥٤ باختلاف يسير ، واوردها الخطيب في « شرف اصحاب الحديث » ٧٩ معزوة لبعض علماء شاش .

(٢) هو الادفوى ، المتوفى سنة ٧٤٨ ترجمه ابن رافع في « الوفيات » ٢/٤٣ ، وابن حجر في « الدرر الكامنة » ٢/٧٢ـ٧٣ وابن تغري بردي في « النجوم الزاهرة » ١٠/٢٣٧ وقد اختلف في اسم ابيه هل هو ثعلب ام تغلب ؟ وقد رجح الاخير الزركلي في « الأعلام » ٢/١٢٣ بعد اطلاعه على مخطوطتين من كتابه « البدر السافر » وقد كتب عليه بخط مشكول مجوّد (تغلب) بسكون الغين ، وكسر اللام .

(٣) هو احمد بن علي بن ثابت ، الخطيب البغدادي ، المتوفى سنة ٤٦٣هـ ترجمته في « التذكرة » ٣/١١٣٥ و « المنتظم » ٨/٢٦٥ و « البداية والنهاية » ٢/١٠١

(٤) اي اشتد .

(٥) اوردها ابن المستوفي في « تاريخ اربل » ١/٤١٥ والحافظ الذهبي في « سير اعلام النبلاء » ٢١/٣٦ والميانشي في « ما لا يسع المحدث جهله » ص٢٢ بتحقيقي والصفدي في « الوافي » ٧/٣٥٣ منسوبة الحافظ ابي طاهر السلفي ؛ واما الصنعاني فذكرها في « إسبال المطر » ٦٧٩ ـ طبع الهند دون عزو ، والله أعلم . فقول المصنف انها للخطيب وهم .

يتبعون من العلوم   بكل أرض كل شارد
فهم النجوم المهتدى   بهم إلى سبل المقاصد (1)

وأنشد محمد بن محمد المديني لنفسه في مجلس إسماعيل السراج يمدح أصحاب الحديث :

أحق أناس يتصافاه بهابهم   أئمة أصحاب الحديث الأفاضل
خلائف أصحاب الحديث ذوو الحجى   لهم رتب عليا وأسنى الفضائل
فلولاهم لم يعرف الشرع عالم   ولم تكُ فتوى في فنون المسائل
وهل نشر الآثار قوم سواهم   نعم حفظوها ناقلاً بعد ناقل
فدينهم من عصبة علم الهدى   لقد أحرزوا فضلاً على كل فاضل
همُ القوم لا يشقى لعَمْري جليسهم   فمن فاتهم يحظى بغير الفضائل

وللبرقاني (2) :

أعلّل نفسي بكتب الحديث   وأحمل فيه لها موعدا
وأشغل نفسي بتصنيفه   وتخريجه أبداً سرمدا
فطوراً أصنّفه في الشيوخ   وطوراً أصنّفه مسندا
واقفو البخاري فيما نحا   وصنّفه جاهداً مجهدا
ومسلم (3) إذ كان زين الأنام   بتصنيفه مسلماً مرشدا
ومالي فيه سوى أنني   أراه هوى وافق المقصدا

(1) أوردها العليمي في « المنهج الاحمد » ٢١٦/٢
(2) هو ابو بكر احمد بن محمد بن احمد الخوارزمي الشافعي ، توفي سنة ٤٢٥ هـ له ترجمة في « التذكرة » ١٠٧٤/٣ و « المنتظم » ٧٩/٨ و « طبقات السبكي » ١٩/٣
(3) في الاصل سلما ، والجادة ما اثبتنا .

لهم اثني عشرة طبقات (1) منهم من أسلم بمكة كالخلفاء الراشدين ، ثم أصحاب دار الندوة . ثم المهاجرون إلى الحبشة . ثم أصحاب العقبة الأولى ثم أصحاب العقبة الثانية . ثم المهاجرون الواصلون إليه بقباء . ثم أهل بدر . ثم الذين هاجروا بين بدر والحديبية . ثم أهل بيعة الرضوان ثم الذين هاجروا بين الحديبية وفتح مكة ، ثم مُسْلِمَةُ الفتح ثم الأطفال والصبيان والزائرون له صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع .

وأما ترتيب فضلهم وأول من أسلم وأيهم أكثر حديثاً وفتياً وأيهم آخرهم موتاً فذكره يطول وليس هذا موضعه وهو مبسوط في كتب القوم على اختلاف العلماء فيها كـ « الاستيعاب » لابن عبد البر المالكي ، وكتاب ابن الأثير (2) و كتاب « الإصابة في معرفة الصحابة » (3) .

وأما صاحب الصحابي ، وهو المسمى بالتابعي . فقال الخطيب (4) : لا يكفي فيه اجتماعه بالصحابي من غير إطالة الاجتماع نظراً للعرف في الصحبة بخلاف اجتماع الصحابي من غير إطالة الاجتماع بالنبي صلى الله عليه وسلم ، ومشى عليه في « جمع الجوامع » وفرّق شارحه المحققُ الجلالُ المحلي بأن الاجتماع بالمصطفى صلى الله عليه وسلم يؤثر من النور القلبي أضعاف ما يؤثره الاجتماع الطويل بالصحابي وغيره من الأخيار فالأعرابي الجلف ، بمجرد ما يجتمع بالمصطفى صلى الله عليه وسلم مؤمناً ينطق بالحكمة ببركة طلعته صلى الله عليه وسلم .

(1) كذا الاصل ، والجادة : طبقة .
(2) طبع بمصر بتحقيق جماعة ، عام ١٩٧٠ م .
(3) للحافظ ابن حجر العسقلاني ، وقد مر الكلام عليه ، وانظر « كشف الظنون » ١٠٦/١
(4) انظر « التدريب » ٣٣٤/٢-٣٣٨

أحمد بن حسن الكندي ، وأبو عمر محمد بن عبد الواحد الزاهد صاحب ثعلب المتوفى سنة خمس وأربعين وثلاث مئة ولم يتم . وأبو محمد سلمة بن عاصم النحوي ، وأبو مروان عبد الملك بن حبيب المالكي المتوفى سنة ثلاث وثلاثين ومئتين ، وأبو القاسم محمود بن أبي الحسن بن الحسين النيسابوري الملقب ببيان الحق ، وقاسم بن محمد الأنباري المتوفى سنة أربع وثلاث مئة . وأبو شجاع محمد بن علي الدهان البغدادي المتوفى سنة تسعين وخمس مئة وهو كبير في ستة عشر مجلداً ، وأبو الفتح سليم بن العرب الرازي المتوفى سنة اثنتين وأربعين وأربع مئة ، وابن كَيْسان محمد بن أحمد النحوي المتوفى سنة تسع وستين ومئتين ومحمد بن حبيب البغدادي النحوي المتوفى سنة خمس وأربعين ومئتين وابن دُرُسْتَوَيْه عبد الله بن جعفر النحوي المتوفى سنة سبع وأربعين وثلاث مئة وإسماعيل بن عبد الغافر راوي « صحيح مسلم » المتوفى سنة خمس وأربعين وأربع مئة (1) وكتابه جليل

ترجمهم على الترتيب : سمر ، توفي سنة ٢٥٥ « معجم الادباء » ١١ / ٢٧٤ . ثعلب ، ترجمته في « التذكرة » ٢١٤/٢ . والمبرد ترجمته في « تاريخ بغداد » ٣٨٠/٢ . والانباري ، ترجمته في « غاية النهاية » ٢/ ٢٣٠ ، والكندي كان حيا قبل سنة ٢٩١ ترجمته في « الوافي بالوفيات» ٣٠٩/٦ ، وصاحب ثعلب ويعرف بغلام ثعلب ترجمته في « تاريخ بغداد » ٣٥٦/٢ والنحوي توفي سنة ٣١٠ ترجمته في « معجم الادباء » ٢٤٢/١١ . وعبد الملك ترجمته في « التذكرة » ٥٣٧/٢ . وبيان الحق اسمه في « هدية العارفين » ٤٠٣/٢ : محمود بن علي بن الحسين النيسابوري ، كان حيا قبل ٥٥٣ هـ وانظر « معجم المؤلفين » ١٨٢/١٢ وقاسم الانباري ترجمته في « وفيات الاعيان » ٣٤١/٤ ضمن ترجمة ابنه ، وابو شجاع ، ترجمته في « النجوم الزاهرة » ١٣٩/٦ وفيه انه توفي سنة ٥٩٢ ، والرازي ترجمته في « تهذيب الاسماء واللغات » ١/ ٢٣١ واسمه في « الاصل » محرف الى : سليم بن العرب ، وهو خطأ. صوابه : سليم بن ايوب ، والصواب في وفاته سنة ٤٤٧ ليس كما في « الاصل » ، وابن كيسان ترجمته في « الشذرات » ٢٣٢/٢ والصواب في تاريخه وفاته سنة ٢٩٩ وليس كما في « الاصل » ومحمد بن حبيب ترجمته في « تاريخ بغداد » ٢٧٧/٢ وابن درستويه ترجمته في « تاريخ =

والكرماني ، ونحوهما وفي أمثاله لا يلزم المتن وإنما المقصود ذكر المواضع المشروحة .

والثاني : الشرح بـ (قال : أقول) : كشرح « المقاصد » و « الطوالع » و « العضد » (1) .

والثالث : الشرح مزجاً ، ويقال : شرح ممزوج . تُمزج فيه عبارة المتن والشرح ، ثم يمتاز إما بالميم والشين (2) وإما بخط يخطه فوق المتن (3). وهو طريقة أكثر الشراح المتأخرة من المحققين وغيرهم . لكنه ليس بمأمون عن الخلط والغلط .

ثم من شرط الشارح أن يبذل النصرة فيما قد التزم شرحه بقدر الاستطاعة ويذب عما قد تكفل إيضاحه بما يذب به صاحب تلك الصناعة ليكون شارحاً غير ناقص وجارح ، ومفسراً غير معترض ، اللهم إلا إذا عثر على شيء لا يمكن حمله على وجه صحيح ، فحينئذ ينبغي أن ينبه عليه بتعريض أو تصريح متمسكاً بذيل العدل والإنصاف متجنباً عن الغي والاعتساف لأن الإنسان محل النسيان والقلم ليس بمعصوم من الطغيان ، فكيف بمن

(1) وهي كتب في علم الكلام ، وانظر « كشف الظنون » ١٧٨٠/٢ و ٢/ ١١١٦ و « مفتاح السعادة » ١٨١/٢
(2) اي : يرمز للمتن بحرف م وللشرح بحرف : ش ، كما فعل الامام ابن ابي العز الحنفي رحمه الله في رسالته « الاتباع » وهي من مطبوعات المكتبة السلفية ــ لاهور باكستان بتحقيق شيخنا الاستاذ محمد عطاء الله حنيف وتعليق أخينا الدكتور عاصم عبدالله القريوتي، حفظهما الله تعالى ، وغيرها .
(3) كما في حواشي السهارنفوي على « صحيح البخاري » طبع أصح المطابع ــ دهلي ، وغيره .

هم الشوافع . ومنهم الطحاوي القدوة في شرح الأحاديث وكتابه «معاني الآثار» مُتَمَسَّكٌ للحنفية . ومنهم ابن عبد البرّ المالكي مقدم هذه الجماعة وكتاباه «الاستذكار» و«التمهيد» [١] تذكرتان عنه .

وبالجملة فهؤلاء الأئمة قولهم هو المعتمد عليه وكلامُهم هو المرجع إليه وإلاّ فشُرّاح كتب الحديث كثيرون يعسر عدّ أساميهم وأسامي كتبهم . ولكل منهم شأن آخر ولكنهم مع ذلك آخذون من أولئك الأئمة فإن تيسرت لأحد كتب هؤلاء القوم ارتفعت حاجة الطالب عن تشويشات المتأخرين وتكلفاتهم الباردة في الدين .

وللشيخ ولي الله [٢] المحدث رضي الله عنه قواعدُ عجيبةٌ وفوائدُ غريبة لفهم معاني الأحاديث ودفع التعارض من بينها . وكتاب «المغيث في مختلف الحديث» [٣] حَسَنٌ بَسَنٌ [٤] نموذجاً في هذا الباب .

وحصول ملكة التمييز لأحد ما بين صحيح الحديث وسقيمه واستقامة الذهن وسلامة الطبع وعدم الميْل إلى الخطأ وقبول الصواب بقليل التنبيه والإيماء نعمة عظمى ودُولة [٥] كبرى . فإن العلمَ وموادّه كثيرٌ في العالم، إنما العزيز هي الملكة المذكورة فإنها الكبريت الأحمر [٦] .

رسائل إخوان الصفاء كثيرة ... ولكن إخوان الصفاء قليل

وقد طبع الجزء الاول والثاني من «الاستذكار» في مصر وطبع من «التمهيد» ستة عشر مجلدا في المغرب
في كتابه «حجة الله البالغة» ١/١٣٥–١٣٨
أنظر «اتحاف النبلاء» ١٥٨ و «كشف الظنون» ٢/١٧٥٥
كلمة للتفضيل تقال هكذا للاتباع ، وهناك كلام آخر حولها ذكره المرتضى الزبيدي في «تاج العروس» ٩/١٤٠ فليراجع .
اي : غلبة .
تقال لندرة الشيء وعدم تيسره .

ذلك ، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عن ذلك ، ولكن لا يجب .

وخالف ابن العربي المالكي [١] في ذلك فقال : إن الحديث الضعيف لا يُعمل به مطلقاً .

وقال السخاوي في «القول البديع» [٢] : سمعت شيخنا ابن حجر مراراً يقول : شرائط العمل بالحديث الضعيف ثلاثة :

الأول : متفق عليه : وهو أن يكون الضعفُ غيرَ شديدٍ كحديثِ ما انفرد من الكذابين والمتهمين ممن فَحُشَ غَلَطُه .

والثاني : أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيثُ لا يكون له أصلٌ أصلاً .

والثالث : أن لا يعتقد عند العمل ثبوته لئلاّ ينْسُبَ إلى النبي صلى الله عليه وسلم ما لم يقله . والأخيران عن (ابن) [٣] عبد السلام وابن دقيق العيد . والأول نقل العلائيّ الاتفاقَ عليه . وعن أحمد أنه يعمل به إذا لم يوجد غيره . وفي رواية عنه : ضعيف الحديث أحبّ إلينا من رأي الرجال .

(١) وهو محمد بن عبدالله بن محمد ، المتوفى سنة ٥٤٣ . ترجمته في «التذكرة» ٤/١٢٩٤ و «البداية والنهاية» ١٢/٢٢٨ و «الشذرات» ٤/١٤١ . وقد نقل قوله هذا الامام السخاوي في «القول البديع» ٢٥٨
(٢) المرجع السابق.
(٣) سقطت من «الاصل» . وهو عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام . المتوفى سنة ٦٦٠ هـ ، ترجمته في «طبقات السبكي» ٨/٢٠٩ و «النجوم الزاهرة» ٧/٢٠٨ و «ذيل الروضتين» ٢١٦ وهو من شيوخ ابن دقيق العيد والاخير هو الذي لقبه بـ «سلطان العلماء» .

قال القاضي أبو بكر في «القبس» [١] : هذا أول كتاب أُلِّفَ في شرائع الإسلام وهو آخره لأنه لم يُؤلَّف مثله إذ بناه مالكٌ على تمهيد الأصول للفروع ، ونبّه فيه على معظم أصول الفقه التي يُرجع إليها في مسائله وفروعه ، انتهى .

وفيه يقول القاضي عياض [٢] .

إذا ذكرت كتب الحديث فحيّ هل ... بكتب «الموطأ» من مصنف مالك
أصح أحاديثاً وأثبت حجـة ... وأوضحها في الفقه نهجاً لسالك
عليه مضى الإجماع من كل أمة ... على رغم خيشوم الحسود المماحك
فعنه فخذ علم الديانةِ خالصـاً ... ومنه استفد شرع النبي المبارك
وشد به كف العناية تهتـدي ... فمن حاد عنه هالك في الهوالك [٣]

وفيه سحدون [٤] الشاعر :

(١) وهو شرح للموطأ ، اسمه «القبس في شرح موطأ مالك بن أنس» ومنه نسخة مخطوطة في الرباط ، رقم : ٢٥ – جلاوي وانظر «ندوة الامام مالك» ٢/٢٣١ وانظر «كشف الظنون» ٢/١٢١٥ والقاضي ابو بكر هو محمد بن عبدالله بن محمد الاشبيلي ، المشهور بابن العربي المالكي، توفي سنة ٥٤٣ ، ترجمته في «التذكرة» ٤/١٢٩٤ و «البدايه والنهايه» ١٢/٢٢٨ و «الشذرات» ٤/١٤١
(٢) هو عياض بن موسى بن عياض بن عمرو اليحصبي السبتي ، المتوفى سنة ٥٤٤ . ترجمته في «التذكرة» ٤/١٣٠٤ و «تهذيب الاسماء واللغات» ٢/٤٣ و «النجوم الزاهرة» ٥/٢٨٥ وقد ترجمه ابنه في جزء لطيف طبع في المغرب حديثا .
(٣) هي في «ترتيب المدارك» ١/١٩٨ و «الديباج المذهب» ١٢٣ و «شرح الزرقاني على الموطأ» ١/٩ وبينها فروق عديدة .
(٤) هو الورجيني ، كما في «الديباج المذهب» ١/١٢١ و «ترتيب المدارك» ١/١٩٦–١٩٧ والابيات فيهما باطول مما هنا ، وبينها اختلاف يسير، وانظر ترجمته ومصادرها في تعليق الاستاذ بشير البكوش على «رياض النفوس» ١/٥٠١ فانه مهم.

عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى بن مريم إنما أنا عبد ، فقولوا : عبد الله ورسوله» [١] .

الرابعة : «موطأ» رواية ابن القاسم الفقيه المالكي [٢] وهو أول من دوّن مذهبه ، ومن متفردات تلك النسخة هذا الحديث : مالك عن العلاء ابن عبد الرحمن عن أبيه عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : «قال الله تعالى من عمل عملاً أشرك فيه معي غيري فهو له كله . أنا أغنى الشركاء عن الشرك» [٣] . قال أبو عمر [٤] : قد وُجد هذا الحديث في موطأ ابن عُفَير [٥] أيضاً وليس في غير هاتين النسختين من الموطآت .

الخامسة : «موطأ» رواية معن بن عيسى المدني القزّاز المكنى بأبي يحيى [٦] . ومما تفرد به فيه هذا الحديث : مالك عن سالم أبي النضر مولى

(١) رواه من طريق مالك الدارمي ٢/٣٢٠ واخرجه البخاري ٣٤٤٥ واحمد ١/٢٣ و ٢٤ و ٤٧ و ٥٥ والبغوي ٣٦٨١ والطيالسي ٢٤٢٤ والترمذي في «الشمائل» ٢٨٤ – مختصره وكلهم رووه من طريق عبيد الله عن ابن عباس عن عمر بن الخطاب به ، فجعلوه من مسند عمر ولم يجعلوه من مسند ابن عباس ، وذكره السيوطي في «الجامع الكبير» ٢/٨٩٥ وزاد نسبته للحميدي والعدني وعبدالرزاق وابن حبان .
(٢) هو عبد الرحمن بن القاسم العتيقي ، توفي سنة ١٩١ هـ ، ترجمته في «الديباج المذهب» ١/٤٦٠ و «التهذيب» ٦/٢٥٢ و «شجرة النور الزكية» ١/٥٨ ، وقال الشيخ محمد الشاذلي النيفر ٦٧ : وتوجد قطع من هذه النسخ بالمكتبة الوطنية بتونس برقم ٢١٨ – ٧٧
(٣) رواه مسلم ٢٩٨٥ وابن ماجه ٤٢٠٢
(٤) هو ابن عبد البر القرطبي ، وقد تقدمت ترجمته .
(٥) سيأتي الكلام عليها ان شاء الله .
(٦) المتوفى سنة ١٩٨ ، ترجمته في «الديباج المذهب» ٢/٢٤٤ و «التهذيب» ١٠/٢٥٢ و «شجرة النور» ١/٥٦ ونسبته القزاز ، لانه كان يبيع القز .

الحادية عشر : «موطأ» رواية محمد بن المبارك الصوري[1] .

الثانية عشر : «موطأ» رواية سليمان بن برد[2] .

الثالثة عشر : «موطأ» رواية يحيى بن يحيى التميمي[3] قال في باب ما جاء في أسماء النبي صلى الله عليه وسلم — وهو آخر باب من أبواب «موطئه» — وعليه يتم كتابه: مالك عن ابن شهاب عن محمد بن جُبير بن مطعم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لي خمسة أسماء : أنا محمد وأنا أحمد وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر ، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي ، وأنا العاقب»[4] .

---

(١) توفي سنة ٢١٥ هـ. ترجمته في « الكاشف » ٨٢/٣ و « التهذيب » ٤٢٤/٩ و « خلاصة الخزرجي » ٣٥٧ ، وقال الامام الشنقيطي في « دليل السالك » : ولم اقف على ان نسخته انفردت ببعض الاحاديث.

(٢) ابن نجيح التجيبي مولاهم توفي سنة ٢١٠ ، ترجمته في «ترتيب المدارك» ٤٦٠/٢ ، وانظر « التعليق الممجد » ١٩ و « انوار السالك الى روايات موطا مالك » ١٥ لمحمد بن علوي المالكي ، وقال الشنقيطي : ولم اقف على انها انفردت بشيء من الاحاديث الا حديث اصحاب الحجر [وقد تقدم تخريجه] ولم تنفرد به عن نسخة مصعب بن عبدالله الزبيري ، ولا عن نسخة محمد بن الحسن .

(٣) توفي سنة ٢٢٦ ، ترجمته في « الكاشف » ٢٣٧/٣ و « الشذرات » ٥٩/٢ و « شجرة النور » ٥٨/١ وقال الشنقيطي : وقد يلتبس يحيى ابن يحيى التميمي بصاحب الرواية المشهورة : يحيى بن يحيى الليثي على غير الماهر وحصل هذا الالتباس بسبب اشتراكهما في الاسم واسم الاب . قلت : والتفرقة بينهما تكون في النسبة ، فصاحب الرواية المشهورة نسبته الليثي ، والاخر نسبته التميمي .

(٤) قال ابن عبد البر : كذا ارسله يحيى واكثر الرواة وقال الحافظ : وهو معروف الاتصال عن غير مالك وانظر « تنوير الحوالك » ٢٦٢/٢ ، قلت : وقد ورد متصلا عند أحمد ٨٠/٤ و ٨١ و ٨٣ و ٨٤ و ٨٥ والبخاري ٣٥٣٢ و ٤٨٩٦ ومسلم ٢٣٥٤ والدارمي ٣١٨/٢ — ٣١٩ وعبدالرزاق ١٩٦٥٧ والترمذي في « سننه » ٢٥٤٢ وفي « الشمائل » ٣٥٩ والحميدي ٥٥٥ والطبراني في « الكبير » ١٥٢٠ و ١٥٢١ و١٥٢٢ =

« المُنتقى » ، والشيخ زين الدين عمر بن أحمد الشماع الحلبي[1] انتقاه أيضاً ، وابن رشيق القيرواني المتوفى سنة ست وخمسين وأربع مئة[2] ، ولإبراهيم بن محمد الأسلمي المتوفى سنة أربع وثمانين وسبع مئة[3] « موطأ » اضعاف « موطأ » مالك . وشرح « موطأ » مالك القاضي الحافظ أبو بكر محمد بن العربي[4] المغربي المالكي المتوفى سنة ست وأربعين وخمس مئة وسماه « القبس في شرح موطأ مالك بن أنس »[5] . وانتخبه الإمام الخطابي أبو سليمان حمد بن محمد البُستي المتوفى سنة ثمان وثمانين وثلاث مئة ولخصه أبو الحسن علي بن محمد خلف القابسي[6] وهو المشهور بـ « ملخص الموطأ »[7] مشتمل على خمس مئة وعشرين حديثاً متصل الإسناد واقتصر على رواية أبي عبد الله عبد الرحمن بن القاسم المصري[8] من رواية أبي سعيد سحنون بن سعيد[9] عنه . قال : وهي آثر الروايات

---

(١) المتوفى سنة ٩٣٦ . ترجمته في « الكواكب السائرة » ٢٢٢/٢ و« شذرات الذهب » ٢١٨/٨ و « هدية العارفين » ٧٩٥/١

(٢) ترجمته في « معجم الادباء » ١٠/٨ و « الشذرات » ٢٩٧/٣ و« وفيات الاعيان » ٨٥/٢ ، وقد اختلف في تاريخ وفاته على اقوال منها ما ذكره المصنف وهو موافق لما في « معجم الادباء » .

(٣) كذا ذكر المصنف ، وفي « كشف الظنون » : سنة اربع وثمانين ومئتين، وكلاهما وهم ، والصواب : سنة اربع وثمانين ومئة كما في « تذكرة الحفاظ » ٢٤٦/١ و « تهذيب التهذيب » ١٥٨/١ و « الشذرات » ٣٠٦/١ وغيرها من مصادر ترجمته .

(٤) هو محمد بن عبدالله بن محمد الإشبيلي ، اشتهر بـ « ابن العربي » ، تقدمت ترجمته ، وانظر « طبقات الحفاظ » للسيوطي ٤٦٧

(٥) انظر « سير اعلام النبلاء » ٧٩/٨ و « فهرس ابن خير » ٨٨

(٦) المتوفى سنة ٤٠٣ ترجمته في « البداية والنهاية » ٣٥١/١١ و« النجوم الزاهرة » ٢٣٢/٤ و « الشذرات » ١٦٨/٣

(٧) انظر « فهرست ابن خير » ٩٠ و « تاريخ الادب العربي » ٢٧٨/٣ — ٢٧٩

(٨) تقدم الكلام على « موطئه » وترجمته .

(٩) لقبه سحنون ، وفسره الامام الذهبي في « سير اعلام النبلاء » ٦٨/١٢ =

بالتقديم لأن ابن القاسم المصري امتاز بالاختصاص في صحبة مالك مع طولها[1] وحسن العناية بمتابعته مع ما كان فيه من الفهم والعلم والورع وسلامته من التكثر في النقل من غير مالك . وشرحه — أعني الموطأ — خاتمة المحدثين محمد بن عبد الباقي بن يوسف بن أحمد بن علوان الزرقاني المصري المالكي المتوفى سنة اثنتين وعشرين ومئة وألف[2] شرحاً بسيطاً في ثلاث مجلدات[3] ، انتهى ملخصاً .

الفصل الثاني

(صحيح البخاري)

في ذكر المُسند الجامع الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه[4] — كما سماه مؤلفه — ، المشهور بصحيح البخاري للإمام الحافظ أمير المؤمنين في الحديث أبي عبد الله محمد بن

= بانه اسم طائر بالمغرب ، يوصف بالفطنة والتحرز . قلت : اما اسمه فهو : عبد السلام بن حبيب بن حسان ، توفي سنة ٢٤٠ ، ترجمته في « وفيات الاعيان » ١٨٠/٣ و « الديباج المذهب » ٣٠/٢ و « شجرة النور الزكية » ٧٠/١ . فتسمية المؤلف له : سحنون بن سعيد ، خطأ ظاهر .

(١) انظر « سير اعلام النبلاء » ١٢١/٩

(٢) ترجمته في « سلك الدرر » ٣٢/٤ و « هدية العارفين » ٣١١/٢ و « تاريخ الجبرتي » ٦٩/١

(٣) نشر في مصر بأربعة اجزاء عام ١٣٢٥ ، وانظر « تاريخ الادب العربي » ٢٧٧/٣

(٤) « كشف الظنون » ٥٤١/١ — ٥٥٥ و « اتحاف النبلاء » ٤٨ و« فهرست ابن خير » ٩٤ و « مفتاح السعادة » ١٣١/٢ و « شروط الائمة الستة » لابن طاهر و « شرح الاربعين العجلونية » ١١٩ و « تاريخ التراث العربي » ٢٠٩/١ و « الرسالة المستطرفة » ٩ و « تاريخ الادب العربي » ١٦٣/١

عليه فوائد، ولابن عبد البر « الأجوبة على المسائل المستغربة[1] » من البخاري سئل[2] عنه المهلب ، وكذا لأبي محمد بن حزم عدة أجوبة عليه[3] .

وشرح أبي الزناد سراج[4] . وشرح الإمام أبي الحسن علي بن خلف الشهير بابن بطال المغربي المالكي[5] المتوفى سنة[6] (تسع وأربعين وأربع مئة) وغالبه فقه الإمام مالك من غير تعرض لموضوع الكتاب[7] . وشرح أبي حفص عمر بن الحسن بن عمر الهَوْزني الإشبيلي المتوفى سنة (ستين وأربع مئة)[8] .

وشرح أبي القاسم أحمد بن محمد بن عمر بن ورد[9] التميمي المتوفى سنة... وهو واسع جداً .

---

(١) « كشف الظنون » ١٢/١

(٢) في « ارشاد الساري » : سأله عنها المهلب .

(٣) انظر « تذكرة الحفاظ » ١١٤٦/٣ فقد ذكر في ترجمته عدة اجوبة عليه.

(٤) كذا في « الكشف » و « الارشاد » ونقلهما عنه كما هو العلامة الكاندهلوي في « لامع الدراري » ٤١٦/١

(٥) ترجمته في « شذرات الذهب » ٢٨٣/٣ و « الديباج المذهب » ١٠٥/٢ و « شجرة النور » ١١٥/١

(٦) في الاصل بياض ، وفي هامشه من كلام المصنف : لم اقف على سنة الوفاة هنا ، وكذا فيما بعد في مواضع متعددة ، فمن وقف عليه فليثبته، وكذلك لم يذكرها صاحب « كشف الظنون » فيه ، لانه لم يقف عليه . قلت : وسوف اثبت ما أجده من وفيات بين معقوفتين في متن الكتاب ان شاء الله .

(٧) وانظر النسخ الخطية للكتاب في « تاريخ التراث العربي » ٣١٢/١ و٣١٣

(٨) ترجمته في « نفح الطيب » ٩٣/٢ و « الصلة » ٣٨١ و «هدية العارفين» ٧٨٢/١ وتحرفت نسبته في « الاصل » الى : الفوري ، وفي «الكشف»: العوزي وزاد محققه بين قوسين : الفوزني ، وفي الارشاد الفوزني . وفي « شرح مقدمة الارشاد » مقيدة بالفاء والزاي ، ولم يتبين وجه الصواب في ذلك العلامة الكاندهلوي في « لامع الدراري » ٤١٧/١ فلم يرجح .

(٩) كذا الاصل ، وفي « الكشف » : ورد ، وفي « الارشاد » : فرد .

علمَ الحديث أفضلُ العلوم وكتابَ البخاري أجلّ الكتب نقلاً وأكثرها تعديلاً وضبطاً. وليس له شرح مشتمل على كشف بعض ما يتعلق به فضلاً عن كلها، فشرح الألفاظ اللغوية ووجه الأعاريب النحوية البعيدة وضبط الروايات وأسماء الرجال وألقاب الرواة ووفق بين الأحاديث المتنافية، وفرغ عنه بمكة المكرمة سنة خمس وسبعين وسبع مئة. لكن قال الحافظ ابن حجر في «الدرر الكامنة»[1]: وهو شرح مفيد على أوهام فيه في النقل لأنه لم يأخذه إلاّ من الصّحُف. انتهى.

وشرح ولده تقي الدين يحيى بن محمد الكَرْماني المتوفى سنة (ثلاث وثلاثين وثمان مئة)[2] استمد فيه من شرح أبيه وشرح ابن المُلقّن وأضاف إليه من شرح الزَّرْكشي وغيره وما سنح له من حواشي الدمياطي و«فتح الباري» والبدر وسماه «مجمع البحرين وجواهر الحبرين»[3] وهو في ثمانية أجزاء كبار بخطه.

وشرح الإمام سراج الدين عمر بن علي [بن] المُلقّن الشافعي المتوفى سنة أربع وثمان مائة[4] وهو شرح كبير نحو عشرين مجلداً[5]. أوله: (ربنا آتنا من لدنك رحمة) (الكهف: ١٠) الآية. أحمد الله سبحانه وتعالى على توالي انعامه الخ. قدم فيه مقدمة مهمة وذكر أنه حصر المقصود في عشرة أقسام في كل حديث، وسماه «شواهد التوضيح». قـال

---

(١) في ٤/٣١٠ منه.
(٢) ترجمته في «الضوء اللامع» ١٠/٢٥٩ و«الشذرات» ٧/٢٠٧ و«هدية العارفين» ٢/٥٢٧
(٣) وتوجد نسخة منه في مكتبة احمد الثالث في تركيا برقم ٤٠٢ بخط المصنف.
(٤) ترجمته في «البدر الطالع» ١/٥٠٨ و«الشذرات» ٧/٤٥ و«لحظ الالحاظ» ١٩٧ ـ ٢٠٠
(٥) انظر نسخة المخطوطة في «تاريخ التراث العربي» ١/٢١٧

السخاوي[1]: اعتمد فيه على شرح شيخه مُغُلْطاي والقطب[2] وزاد فيه قليلاً. قال ابن حجر[3]: وهو في أوائله أقعد منه في أواخره، بل هو من نصفه الباقي قليل الجدوى، انتهى.

وشرح العلاّمة شمس الدين أبي عبد الله محمد بن عبد الدائم بن موسى البرماوي الشافعي المتوفى سنة إحدى وثلاثين وثمان مئة[4] وهو شرح حسن في أربعة أجزاء سماه «اللامع الصبيح»[5]. أوله: الحمد لله المرشد إلى الجامع الصحيح... الخ. ذكر فيه أنه جمع بين شرح الكرماني باقتصار وبين «التنقيح» للزركشي بإيضاح وتنبيه، ومن أصوله أيضاً «مقدمة فتح الباري» ولم يُبيِّض إلاّ بعد موته.

وشرح الشيخ برهان الدين إبراهيم بن محمد الحلبي المعروف بسِبْط ابن العَجَمي المتوفى سنة إحدى وأربعين وثمان مئة[6] وسماه «التلقيح لفهم قارىء الصحيح» وهو بخطه في مجلدين[7] وفيه فوائد حسنة.

ومختصر هذا الشرح للإمام محمد بن محمد الشافعي المتوفى سنة أربع وسبعين وثمان مئة[8]. وكذا التقط منه الحافظ ابن حجر حيث كان بحلب

---

(١) في «الضوء اللامع» ٦/١٠٣
(٢) اي: القسطلاني، وسيأتي.
(٣) وانظر «لامع الدراري» ١/٤٢٢ ـ ٤٢٤ و«مفتاح القاري» ١٥٤، ١٥٥.
(٤) ترجمته في «البدر الطالع» ٢/١٨١ و«الضوء اللامع» ٧/٢٨٠ و«الانس الجليل» ٢/٤٥٧
(٥) انظر النسخة الخطية في «تاريخ التراث» ١/٢١٨
(٦) ترجمته في «البدر الطالع» ١/٢٨ و«لحظ الالحاظ» ٣١٤ و«الشذرات» ٧/٢٣٨
(٧) وانظر لزاما «تاريخ التراث» ١/٢١٩
(٨) ترجمته في «البدر الطالع» ٢/٢٤٤ و«نظم العقيان» ١٦٣ وترجمه السخاوي في «الضوء اللامع» ٩/٩٢٠ لكنه ذكر وفاته سنة ٨٦٤ فلعله تحريف.

المتوفى سنة تسع وخمسين وثمان مئة[1].

ومن الشروح المشهورة أيضاً شرح العلاّمة بدر الدين أبي محمد محمود ابن أحمد العَيْني الحنفي المتوفى سنة خمس وخمسين وثمان مئة[2]. وهو شرح كبير أيضاً في عشرة أجزاء وأزيد وسماه «عمدة القاري»[3] أوله: الحمد لله الذي أوضح وجوهَ معالم الدين.

ذكر فيه أنه لمّا دخل إلى البلاد الشمالية قبل الثمان مئة مستصحباً فيه هذا الكتاب، ظفر هناك من بعض مشايخه بغرائب النوادر المتعلقة بذلك الكتاب، ثم لما عاد إلى مصر شرحه، وهو بخطه في أحد وعشرين مجلداً بمدرسته التي أنشأها بحارة كُتامَة بالقرب من الجامع الأزهر، وشرع في تأليفه في أواخر شهر رجب سنة إحدى وعشرين وثمان مئة. وفرغ من نصف الثلث الأول في جمادى الأولى سنة سبع وأربعين وثمان مئة واستمد فيه من «فتح الباري» بحيث ينقل منه الورقة بكمالها وكان يستعيره من البرهان بن خضر بإذن مصنفه له وتعقّبه في مواضع. وطوّله بما تعمد الحافظ ابنُ حجرٍ حذفه من سياق الحديث بتمامه وإفراد كل من تراجم الرواة بالكلام وتباين الأنساب واللغات والإعراب والمعاني والبيان واستنباط الفوائد من الحديث والأسئلة والأجوبة.

وحُكي أنّ بعضَ الفضلاءِ ذكر لابن حجر ترجيحَ شرح العيني بما

---

(١) ترجمته في «الضوء اللامع» ٧/١٦٢ و«البدر الطالع» ٢/١٤٦ و«هدية العارفين» ٢/٢٠٠، ولم يعرفه العلامة الكاندهلوي في «لامعه» فاختلط عليه بغيره.
(٢) ترجمته في «الضوء اللامع» ١٠/١٣١ و«الشذرات» ٧/٢٨٦ و«البدر الطالع» ٢/٢٩٤
(٣) وقد طبع في استانبول عام ١٣١١ في ١٣ مجلدا، ثم طبع في القاهرة سنة ١٣٤٨ في ٢٥ مجلدا.

اشتمل عليه من البديع وغيره، فقال بديهة: هذا شيء نقله من شرح ركن الدين[1] وقد كنت وقفت عليه قبله ولكنْ تركتُ النقلَ منه لكونه لم يتمّ إنما كتب منه قطعةً وخشيتُ من تعبي بعد فراغها في الاسترسال ولذا لم يتكلم العينيّ بعد تلك القطعة بشيء من ذلك، انتهى. وبالجملة فإنّ شرحَهُ حافلٌ في معناه، لكنْ لم ينتشر كانتشارِ «فتح الباري» في حياة مؤلفه وهلم جرّاً.

ومنها شرح الشيخ ركن الدين أحمد بن محمد بن عبد المؤمن القُرَيْمي المتوفى سنة ثلاث وثمانين وسبع مئة[2]، وهو الذي ذكره ابنُ حجر في الجواب عن تفصيل شرح العيني آنفاً.

وشرح الشيخ بدر الدين محمد بن بهادُر بن عبد الله الزَّرْكشي الشافعي المتوفى سنة أربع وتسعين وسبع مائة[3] وهو شرح مختصر في مجلد[4]. أوله: الحمد لله على ما عمّ بالإنعام قصدَ فيه إيضاحَ غريبه وإعراب غامضه وضبطَ نسبٍ أو اسمٍ يُخشى فيه التصحيف منتخباً من الأقوال أصحّها ومن المعاني أوضحها. مع إيجاز العبارة والرمز بالإشارة وإلحاق فوائد، يكاد يستغني به اللبيبُ عن الشروح لأن أكثرَ الحديث ظاهرٌ لا يحتاج إلى بيان، كذا قال، وسماه «التنقيح». وعليه نُكَت للحافظ ابن حجر المذكور وهي تعليقةٌ بالقول ولم تكمَل[5]. وللقاضي مُحب الدين أحمد

---

(١) وهو الآتي ذكره عقب هذا الشرح.
(٢) ترجمته في «الشذرات» ٣/٢٧٩ و«ايضاح المكنون» ٢/٤٣٢
(٣) ترجمته في «الدرر الكامنة» ٣/٣٩٧ و«الشذرات» ٦/٣٣٥ و«الرسالة المستطرفة» ١٤٢
(٤) طبع في القاهرة عام ١٣٥١
(٥) نسخة منه في كوبريلي برقم ٤/١٥٩١

ابن نصر الله البغدادي الحنبلي المتوفى سنة أربع وأربعين وثمان مئة [1] نكت أيضاً على « تنقيح » [2] الزركشي .

ومنها شرح العلاّمة بدر الدين محمد بن أبي بكر الدّماميني المتوفى سنة ثمان وعشرين وثمان مئة [3] وسماه « مصابيح الجامع » [4] أوله : الحمد لله الذي جعل في خدمة السنة النبوية أعظم سيادة . . . الخ .

ذكر أنه ألفه للسلطان أحمد شاه بن محمد بن مظفر من ملوك الهند وعلقه على أبواب منه ومواضع ، تحتوي على غريب وإعراب وتنبيه . قلت : لم يذكر الدّماميني في ديباجة شرحه هذا الذي نقله المؤلفُ ، لكنْ قال في آخر نسخة قديمة : كان انتهاء هذا التأليف بزَبيد [5] من بلاد اليمن قبل ظهر يوم الثلاثاء العاشر من شهر ربيع الأول سنة ثمان وعشرين وثمان مئة على يد مؤلفه محمد بن أبي بكر بن عمر بن أبي بكر المخزومي الدماميني . انتهى [6] .

وشرح الحافظ جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السّيوطي المتوفى سنة إحدى عشرة وتسع مئة وهو تعليق لطيف قريب من « تنقيح » الزركشي سماه « التوشيح على الجامع الصحيح » [7]. أوله : الحمد لله الذي أجزل

(١) ترجمته في « الضوء اللامع » ٢/٢٣٣ و « شذرات الذهب » ٧/٢٥٠
(٢) منه نسخة في كوبريلي برقم ١٥٩١/٥
(٣) ترجمته في « الضوء اللامع » ٧/١٨٤ و « البدر الطالع » ٢/١٥٠ و « الشذرات » ٧/١٨١
(٤) وانظر « تاريخ التراث » ١/٢١٧-٢١٨
(٥) بفتح الزاي ، وانظر « معجم ما استعجم » ١/٦٩٤
(٦) انظر « لامع الدراري » ١/٤٢٨،٤٢٩
(٧) منه نسخ عديدة في العالم ، انظرها في « تاريخ التراث » ١/٢٢٣ وقد طبع سنة ١٢٩٨ في القاهرة مختصر لهذا الشرح باسم « روح التوشيح » للشيخ الدمنتي الباجمعوي المتوفى سنة ١٣٠٦ ترجمته في « الاعلام » ٤/٢٩٢

المِنّة . . . الخ . وله « الترشيح » [1] أيضاً ولم يتمّ .

وشرح الإمام محيي الدين يحيى بن شرف النّووي المتوفى سنة ست وسبعين وست مئة [2] وهو شرح قطعة من أوله إلى آخر كتاب الإيمان [3] ذكر في « شرح مسلم » [4] أنه جمع فيه جُمَلاً (مستكثرات) مشتملة على نفائس من أنواع العلوم (بعبارات وجيزات) [5] . وشرح الحافظ عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي المتوفى سنة أربع وسبعين وسبع مئة [6] وهو شرح قطعة من أوله أيضاً .

وشرح الحافظ زين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي المتوفى سنة خمس وتسعين وتسع مئة [7] ، وهو شرْح قطعةٍ من أوله أيضاً سماه « فتح الباري » [8] . قلت : وصل فيه إلى كتاب الجنائز ، قاله صاحب « الجوهر المنضد في طبقات متأخري أصحاب أحمد » .

(١) ذكره الاستاذ محمد الشرقاوي اقبال في كتابه « مكتبة الجلال السيوطي » ص ١٣٢ نقلا عن حاجي خليفة .
(٢) ترجمته في « طبقات السبكي » ٥/١٦٥ و « النجوم الزاهرة » ٧/٢٧٨ « البداية والنهاية » ١٣/٢٧٨
(٣) توجد هذه القطعة مخطوطة في ليبزج رقم : ٢٠٦ وفي قليج علي رقم : ٢٠٦ ، وقد طبع من شرحه كتاب الايمان ، في مصر قديما بالاضافة الى شروح اخرى للكتاب نفسه لبعض شراح البخاري، وقمت بحمد الله بتحقيق مقدمة هذا الشرح والتعليق عليها ، وطبعت باسم « ما تمس اليه حاجة القاري لصحيح الامام البخاري » .
(٤) في « المقدمة » ١/١٠ ــ هندية
(٥) وقد تكلم عليه الشيخ العلامة الكاندهلوي في « اللامع » ١/٤١٣،٤١٤
(٦) ترجمته في « الدرر الكامنة » ١/٣٧٣ و « البدر الطالع » ١/١٥٣ و « الشذرات » ٦/٢٣١
(٧) كذا ارخ المصنف وفاته ، وهو وهم تابع عليه صاحب « كشف الظنون» والصواب : (٧٩٥) كما في مصادر ترجمته : « الدرر الكامنة » ٢/٤٢٨ و « الشذرات » ٦/٣٣٩ و « البدر الطالع » ١/٣٢٨
(٨) توجد هذه القطعة مخطوطة في دار الكتب المصرية تحت رقم ٢٨٩ ــ =

وشرح العلاّمة سراج الدين عمر بن رَسْلان البُلْقيني الشافعي المتوفى سنة خمس وثمان مئة [1] ، وهو شرح قطعة من أوله أيضاً إلى كتاب الإيمان في نحو خمسين كراسة [2] وسماه « الفيض الجاري » [3] .

وشرح العلاّمة مجد الدين أبي طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادي الشيرازي المتوفى سنة سبع عشرة وثمان مئة [4] سماه « منح الباري بالسيح الفسيح المجاري » [5] ، كمل ربع العبادات منه في عشرين مجلداً وقدر تمامه في أربعين مجلداً . ذكر السخاوي في « الضوء اللامع » [6] أن التقي الفاسي [7] قال في « ذيل التقييد » [8] : إن المجد لم يكن بالماهر في الصنعة

= حديث تيمور وفي المكتبة الظاهرية برقم ٣٧٧ ــ كواكب و ٥٧٤ ــ كواكب . وانظر المقارنة التي عقدها الدكتور همام عبد الرحيم في كتابه « العلل في الحديث » ٢٧١ ــ ٢٨٢ بين « فتح » ابن رجب و « فتح » ابن حجر فانها ممتعة .
(١) ترجمته في « الشذرات » ٧/٥١ و « البدر الطالع » ١/٥٠٦ «الضوء اللامع » ٦/٨٥
(٢) قال ابن فهد في « لحظ الالحاظ » ص ٢١٦ خلال ترجمة البلقيني والذي وجد من مؤلفاته : قطعة على البخاري بلغ فيها الى اثناء كتاب الايمان ، اطال النفس فيه جدا ، جاء في مجلد ، فلو قدر اكماله لبلغ مئتي مجلد ، لكنه لا يسلم من تكرير .
(٣) وتوجد مخطوطة في قونية ، يوسف اغا رقم : ٥٢٦٥ وصنعاء رقم : ٣٦٩
(٤) ترجمته في « البدر الطالع » ٢/٢٨٠ و « العقود اللؤلؤية » ٢/٢٦٤ و ٢٧٨ للخزرجي و « الشقائق النعمانية » ١/٣٢ لطاش كبري زادة .
(٥) وقد اختلفت المصادر في ضبطه ، وانظر التحقيق النفيس الذي حرره العلامة الكاندهلوي في « لامع الدراري » ١/٤٣٣ ، ٤٣٤
(٦) في ١٠/٧٩ منه .
(٧) هو محمد بن احمد بن علي ، المتوفى سنة ٨٢٣ ترجمته في « ذيل طبقات الحفاظ » ٢٩١ و ٣٧٧ و « الضوء اللامع » ٧/١٨ و«الشذرات» ٧/١٩٩
(٨) ذيل به على كتاب « التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد » لابن نقطة الحنبلي المتوفى سنة ٦٢٩ هـ وقد طبع « التقييد » ، اما « الذيل » فلا زال مخطوطا . وانظر « كشف الظنون » ١/٤٧٠

خطيب مكة المكرمة المتوفى سنة ثلاث وسبعين وثمان مئة ، وهو شرح مواضع منه [1] :

وشرح العلاّمة أبي عبد الله محمد بن أحمد بن مرزوق التلمساني المالكي شارح « البردة » [2] المتوفى سنة اثنتين وأربعين وثمان مئة [3] وسماه « المتجر الربيح والمسعى الرجيح » [4] . ولم يكمل أيضاً .

وشرح العارف القدوة عبد الله بن سعد بن أبي جَمْرة ــ بالجيم ــ الأندلسي [5] وهو على ما اختصره [6] من البخاري وهو نحو ثلاث مئة

(١) وانظر « لامع الدراري » ١/٤٣٤ ، ويوجد « تعليق » على البخاري في مكتبة صائب بانقرة رقم ٢٢٧٣ من تاليف محمد بن محمد بن علي النويري المتوفى سنة ٨٥٧ وانظر « الضوء اللامع » ٩/٢٤٦ و «تاريخ التراث» ١/٣٢٢
(٢) وهي قصيدة في مدح الرسول الاعظم صلى الله عليه وسلم من تاليف محمد بن سعيد البوصيري المتوفى سنة ٦٩٦ وهي على روعتهاوجمالها، فقد اخذ عليها المحققون من العلماء ماآخذ عديدة ، منها : نسبة علم الغيب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم والاستعانة به صلى الله عليه وسلم بعد موته فيما لا يستطيعه وغير ذلك ، وللتلمساني ثلاثة شروح على « البردة » كبير وصغير ومتوسط ، وشرحه الكبير موسوم بـ « اظهار صدق المودة في شرح البردة » وانظر « نيل الابتهاج بتطريز الديباج » التنبكتي ٢٩٣ طبع مصر سنة ١٣٢٩ هـ .
وللشيخ محمد نسيب الرفاعي كتاب اسمه « نقض البردة وبيان ما فيها من ابيات الشرك والردة » يسر الله نشره .
(٣) ترجمته في « الضوء اللامع » ٧/٥٠ و « البدر الطالع » ٢/١١٩ و « دليل مؤرخ المغرب » لابن سودة ١/١٨٧ طبع دار الكتاب في المغرب سنة ١٩٦٥
(٤) ويوجد منه نسخة خطية في الرباط (رقم : ٥٧٢ ــ كتاني وقال الزركلي في « الاعلام » ٥/٣٣١ : وكان منه الجزءان الاول والثاني بخطه في « الجامع الجديد » بالجزائر ثم فقد الاول .
(٥) المتوفى سنة ٦٩٥ هـ ، ترجمته في « البداية والنهاية » ١٣/٣٤٦و«نيل الابتهاج » ١٤٠ وذكر وفاته سنة ٦٩٩ هـ.
(٦) واسمه « جمع النهاية ببعض الخير والغاية » وقد طبع في القاهرة طبعات عديدة منها : سنة ١٢٨٦ و ١٣٠٢ و ١٣٢١ و ١٣٤٩ هـ وانظر « كشف الظنون » ١/٥٩٦

حديث وسماه « بهجة النفوس وغايتها[1] بمعرفة ما لها وما عليها »[2] .

وشرح برهان الدين ابن النعماني إلى اثناء الصلاة ، ولم يفِ بما التزمه[3].

وشرح الشيخ أبي البقاء محمد بن علي بن خلف الأحمدي المصري الشافعي نزيل المدينة[4] وهو شرح كبير[5] ممزوج وكان ابتداء تأليفه من شهر شعبان سنة تسع وتسع مئة أوله : الحمد لله الواجب الوجود الخ . ذكر انه جعله كالوسيط برزخاً بين الوجيز والبسيط ملخصاً من شروح المتأخرين كالكرماني وابن حجر والعيني .

وشرح جلال الدين البكري الفقيه الشافعي المتوفى سنة (إحدى وتسعين وثمان مئة)[6] .

وشرح الشيخ شمس الدين محمد بن محمد الدلنجي الشافعي المتوفى سنة خمسين وتسع مئة[7] كتب قطعة منه .

وشرح العلامة زين الدين عبد الرحيم بن عبد الرحمن بن أحمد العباسي

---

(1) كذا في الاصل تبعا لما في « كشف الظنون » ١/٢٥٩ و ٥٥١ والمطبوع من «البهجة» فيه : وتحليها .
(2) طبع في القاهرة سنة ١٩٣٦ باربعة اجزاء .
(3) انظر « لامع الدراري » ١/٤٣٧
(4) المتوفى سنة ٩١٠ ، ترجمته في « هدية العارفين » ٢/٢٥٤ و«ايضاح المكنون » ١/٥٤٦ و « الاعلام » ٦/٢٨٩
(5) واسمه « الباري الفصيح في الجامع الصحيح » ولم يكمله ، يوجد قطع مخطوطة متفرقة منه ، وانظر « تاريخ التراث » ١/٢٢٣
(6) واسمه محمد بن عبد الرحمن بن احمد ، ترجمته في « ضوء اللامع » ٧/٢٨٤ و « البدر الطالع » ٢/١٨٢ و « هدية العارفين » ٢/٢١٤
(7) ترجمته في « الكواكب السائرة » للغزي ٢/٦ و « الشذرات » ٨/٢٧٠ و « هدية العارفين » ٢/٣١٩

فبان لي أن الحاجة الى وصل المنقطع ماسة فجمعتُ ، وسميتُه « تغليق التعليق » لأن الأسانيد كانت كالأبواب المفتوحة فغلّقت ، انتهى .

وفرغ من تأليفه سنة سبع وثمان مئة لكن قال في « انتقاضه » : انه كمل سنة أربع وثمان مئة . ولعل ذلك تاريخ التسويد[1] .

ومن شروح البخاري : شرح الفاضل شهاب الدين أحمد بن محمد الخطيب القسطلاني المصري الشافعي[2] صاحب « المواهب اللدنية »[3] المتوفى سنة ثلاث وعشرين وتسع مئة وهو شرح كبير ممزوج في نحو عشرة أسفار كبار ، أوله : الحمد لله الذي شرح بمعارف عوارف السنّة النبوية . . . الخ . قال فيه : – بعد مدح الفن والكتاب[4] – : طالما خطر لي أن أعلق عليه شرحاً أمزجه فيه مزجاً ، أميز فيه الأصل من الشرح بالحمرة ليكون كاشفاً بعض أسراره مُدْركاً باللمحة ، موضحاً مشكلَه ، مقيّداً مُهملَه ، وافياً بتعليق تعليقه كافياً في ارشاد الساري الى طريق تحقيقه ، فشمرت ذيل العزم وأتيت بيوت التصنيف من أبوابها وأطلقت لسان القلم بعبارات صريحة لخصتها من كلام الكبراء ولم أتحاش عن الإعادة في الإفادة عند الحاجة الى البيان ولا في ضبط الواضح عند علماء هذا الشأن ، قصداً لنفع الخاص والعام فدونك شرحاً أشرقَتْ عليه من شُرُفات هذا الجامع أضواء نوره اللامع ، واختفت منه كواكب الدراري ، وكيف لا وقد فاض عليه النور من فتح الباري ، انتهى . أراد بذلك أن شرح ابن

---

(1) وانظر « لامع الدراري » ١/٤٤٠.
(2) ترجمته في « الشذرات » ٨/١٢١ و « البدر الطالع» ١/١٠٢ و«الكواكب السائرة » ١/١٢٦
(3) مطبوع في مصر سنة ١٣٢٦ ، وانظر « كشف الظنون » ٢/١٨٩٦ – ١٨٩٧ و « اتحاف النبلاء » ١٦٣
(4) « ارشاد الساري » ١/٢ باختلاف يسير .

وشرح المولى الفاضل أحمد بن إسماعيل بن محمد الكوراني الحنفي المتوفى سنة ثلاث وتسعين وثمان مئة[1] وهو شرح متوسط . أوله : الحمد لله الذي أوقد من مشكاة الشهادة الخ . وسماه « الكوثر الجاري على رياض البخاري »[2] ، رد في كثير من المواضع على الكرماني وابن حجر وبين مُشكِل اللغات وضَبَط أسماء الرواة في موضع الالتباس وذكر قبل الشروع سيرة النبي صلى الله عليه وسلم إجمالاً ومناقب المُصنّف وتصنيفه . وفرغ منه في جُمادى الأولى سنة أربع وسبعين وثمان مئة بآذرنه[3] .

وشرح الإمام زين الدين أبي محمد عبد الرحمن بن أبي بكر (ابن) العيني الحنفي المتوفى سنة ثلاث وتسعين وثمان مئة[4] وهو في ثلاثة مجلدات ، كتب الصحيح على هامشه .

وشرح أبي ذر أحمد بن إبراهيم ابن السبط الحلبي المتوفى سنة أربع وثمانين وثمان مئة[5] لخصه من شروح ابن حجر والكرماني والبِرْماوي[6] وسماه « التوضيح للأوهام الواقعة في (الجامع)[7] الصحيح » .

---

(1) ترجمته في « الضوء اللامع » ١/٢٤١ و « الشقائق النعمانية » ٥١–٥٥ و « هدية العارفين » ١/١٣٥
(2) انظر « تاريخ التراث العربي » ١/٢٢٣
(3) كذا الاصل ، وفي « كشف الظنون » ١/٥٥٣ و « لامع الدراري » ١/٤٤٢ و « الفوائد البهية » ٤٨ ادرنه : بالقصر ، واهمال الدال ، ولم اجدها في معاجم البلدان . ولعلها من اعمال تركيا !
(4) ترجمته في « الضوء اللامع » ٤/٧١ و « هدية العارفين » ٢/٢١٥ و « الاعلام » ٣/٣٠٠
(5) ترجمته في « الضوء اللامع » ١/١٩٨ و « رفع الاصر » ١/٥٢ و«اعلام النبلاء » ١/٢٥ للشيخ راغب الطباخ .
(6) هو محمد بن عبد الدائم بن موسى ، المتوفى سنة ٨٣١ هـ ، له ترجمة في « البدر الطالع » ٢/١٨١ وانظر عن شرحه « تاريخ التراث العربي» ١/٣١٨
(7) يوجد مخطوطا بخط المؤلف في دار الكتب المصرية برقم حديث : ١٢٩٢ ومكتبة طلعت حديث : ٥١٩

وشرح الإمام فخر الإسلام علي بن محمد البزدوي الحنفي المتوفى سنة أربع وثمانين وثمان مئة[1] وهو شرح مختصر .

وشرح الإمام نجم الدين أبي حفص عمر بن محمد النسفي الحنفي المتوفى سنة سبع وثلاثين وخمس مئة[2] سماه « كتاب النجاح في شرح أخبار الصحاح » ذكر في أوله أسانيده عن خمسين طريقاً إلى المُصنّف .

وشرح الشيخ جمال الدين محمد بن عبد الله بن مالك النحوي المتوفى سنة اثنتين وسبعين وست مئة[3] ، وهو شرح لمشكل إعرابه سماه « التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح »[4] .

وشرح القاضي مجد الدين إسماعيل بن إبراهيم البِلْبيسي المتوفى سنة عشر وثمان مئة[5] .

وشرح القاضي زين الدين عبد الرحيم بن الركن[6] أحمد المتوفى سنة أربع وستين وثمان مئة .

---

(1) كذا قال المصنف متابعا حاجي خليفة ، وقد وهم منهما ، كما نبه عليه عصري المصنف وقرينه الامام عبد الحي اللكنوي في « الفوائد البهية» ١٢٤ والصواب في تاريخ وفاته سنة ٤٨٢ وله ترجمة في «تاج التراجم» ٣٠–٣١ لابن قطلوبغا و « مفتاح السعادة » ٢/١٨٤.
(2) ترجمته في « الفوائد البهية » ١٤٩ و « لسان الميزان » ٤/٣٢٧ و«معجم الادباء » ٦/٥٣
(3) ترجمته في « الوافي بالوفيات » ٣/٣٥٩ و « طبقات السبكي » ٥/٢٨ و « غاية النهاية » ٢/١٨٠.
(4) وقد طبع في حيدرآباد سنة ١٣١٩ هـ ، ثم نشره محققا الاستاذ محمد فؤاد عبد الباقي في القاهرة سنة ١٩٥٧م.
(5) كذا قال المصنف رحمه الله متابعا صاحب « كشف الظنون » وهو وهم منهما ، فان الصواب في تاريخ وفاته سنة ٨٠٢ هـ ، كما في « حسن المحاضرة » ١/٤٧٢ و « الضوء اللامع » ٢/٢٨٦ و « رفع الإصر » ١/١١٦
(6) كذا !

وشرح الإمام فخر الإسلام علي بن محمد البزدوي الحنفي المتوفى سنة أربع وثمانين وثمان مئة [1] وهو شرح مختصر .

وشرح الإمام نجم الدين أبي حفص عمر بن محمد النسفي الحنفي المتوفى سنة سبع وثلاثين وخمس مئة [2] سماه « كتاب النجاح في شرح أخبار الصحاح » ذكر في أوله أسانيده عن خمسين طريقاً إلى المُصنّف .

وشرح الشيخ جمال الدين محمد بن عبد الله بن مالك النحوي المتوفى سنة اثنتين وسبعين وست مئة [3] ، وهو شرح لمشكل إعرابه سماه « التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح » [4] .

وشرح القاضي مجد الدين إسماعيل بن إبراهيم البِلْبيسي المتوفى سنة عشر وثمان مئة [5] .

وشرح القاضي زين الدين عبد الرحيم بن الركن [6] أحمد المتوفى سنة أربع وستين وثمان مئة .

---

(١) كذا قال المصنف متابعا حاجي خليفة ، وقد وهم منهما ، كما نبه عليه عصري المصنف وقرينه الامام عبد الحي اللكنوي في « الفوائد البهية » ١٢٤ والصواب في تاريخ وفاته سنة ٤٨٢ وله ترجمة في «تاج التراجم» ٣٠-٣١ لابن قطلوبغا و « مفتاح السعادة » ١٨٤/٢

(٢) ترجمته في « الفوائد البهية » ١٤٩ و « لسان الميزان » ٣٢٧/٤ و«معجم الادباء » ٥٣/٦

(٣) ترجمته في « الوافي بالوفيات » ٣٥٩/٣ و « طبقات السبكي » ٢٨/٥ و « غاية النهاية » ١٨٠/٢

(٤) وقد طبع في حيدرآباد سنة ١٣١٩ هـ ، ثم نشره محققا الاستاذ محمد فؤاد عبد الباقي في القاهرة سنة ١٩٥٧م.

(٥) كذا قال المصنف رحمه الله متابعا صاحب « كشف الظنون » وهو وهم منهما ، فان الصواب في تاريخ وفاته سنة ٨٠٢ هـ ، كما في « حسن المحاضرة » ٤٧٢/١ و « الضوء اللامع » ٢٨٦/٢ و « رفع الإصر » ١١٦/١

(٦) كذا !

وشرح غريبه لأبي الحسن محمد بن أحمد الحَيّاني النحوي المتوفى سنة أربعين وخمس مئة [1] .

وشرح القاضي أبي بكر محمد بن عبد الله بن العربي المالكي الحافظ المتوفى سنة ثلاث وأربعين وخمس مئة [2] .

وشرح الشيخ شهاب الدين أحمد (بن) رسلان المقدسي الرملي الشافعي المتوفى سنة أربع وأربعين وثمان مئة [3] وهو في ثلاثة مجلدات [4] .

وشرح الإمام عبد الرحمن الأهْدَل اليمني المُسمّى بـ « مصباح القاري » [5] .

وشرح الإمام قِوَام السنّة أبي القاسم إسماعيل بن محمد الأصبهاني الحافظ المتوفى سنة خمس وثلاثين وخمس مئة [6] .

ومن التعليقات على بعض المواضع من البخاري تعليقة المولى لطف الله ابن الحسن التوقاتي المقتول سنة تسع مئة [7] وهي (تعليقة) على أوائله .

---

(١) ترجمته في « معجم المؤلفين » ٢٤٨/٨

(٢) تقدمت ترجمته .

(٣) ترجمته في « الضوء اللامع » ٢٨٢/١ و « الشذرات » ٢٤٨/٧ ـ ٢٥٠ و « الانس الجليل » للعليمي ٥١٥/٢

(٤) قال الشوكاني في « البدر الطالع » ٥١/١ : شرع في شرح البخاري ، ووصل فيه الى آخر الحج في ثلاثة مجلدات .

(٥) انظر « اتحاف النبلاء » ٥٦ ، ١٥٢ و « كشف الظنون » ١٧١٠/٢ و « لامع الدراري » ٤٤٧/١

(٦) ترجمته في « المنتظم » ٩٠/١٠ و « طبقات المفسرين » ٨ للسيوطي و « تذكرة الحفاظ » ١٢٧٧/٤

(٧) ترجمته في « الكواكب السائرة » ٣٠١/١ و « شذرات الذهب» ٢٣/٨ و « التعليقات السنية على الفوائد البهية » ٢١ وكلها ذكرت وفاته سنة ٩٠٤ ، اما صاحب « كشف الظنون » فقد ذكر وفاته سنة ٩٠٠ ، كما عند المصنف وتابعه على ذلك البغدادي في « ايضاح المكنون ٢ / ١٥ و « هدية العارفين » ٨٣٩/١

و « أسماء رجاله » [1] للشيخ الإمام أبي نصر أحمد بن محمد بن الحسين الكَلاباذيّ المتوفى سنة ثمان وتسعين وثلاث مئة [2] . وللقاضي أبي الوليد سليمان بن خلف الباجي المتوفى سنة أربع وسبعين وأربع مئة ، كتاب « التعديل والتجريح لرجال البخاري » [3] وجَرَّد الشيخ قطب الدين محمد ابن محمد الخَيْضَري الدمشقي الشافعي المتوفى سنة أربع وتسعين وثمان مئة [4] من « فتح الباري » أسئلة مع الأجوبة وسماها « المنهل الجاري » [5] . وجرد الحافظ ابن حجر التفسير من البخاريّ على ترتيب السور [6] ، وله « التشويق إلى وصل التعليق » [7] . انتهى من « كشف الظنون » [8] . و « شرح البخاري » للملاّ أحسن الصدّيقي الفنجابي المعروف بحافظ دراز [9] بالفارسية وسماه « منح الباري » [10] أوله : حمد وسپاس بي عدد وقياس مرخداي راكه سبحات جلال أو مقدس از وصمة حدوث وزوالست وسرادقات جمال أو منزه از وصمة تغير وانتقال .

---

(١) ذكره سزكين في «تاريخه» ٢٤٢/١ ولم يذكر اماكن وجود نسخة المخطوطة مع انه يوجد منه نسخة في خزانة الرباط ١٣٧٨ ـ كتاني .

(٢) ترجمته في « تذكرة الحفاظ » ١٠٢٧/٣ و « تاريخ بغداد » ٤٣٤/٤ و « الشذرات » ١٥١/٣

(٣) منه نسخة في مكتبة نور عثمانية رقم ٧٦٦ ـ تركيا .

(٤) ترجمته في « الضوء اللامع » ١١٧/٩ و « البدر الطالع » ٢ / ٢٤٥ و « الرسالة المستطرفة » ٩٤

(٥) « كشف الظنون » ١٨٨٤/٢

(٦) اشار اليه السخاوي في « الجواهر والدرر » ورقة ١٥٥ ، وانظر «ابن حجر ودراسة مصنفاته ... » ٢٨٥/١-٢٨٦

(٧) اقتصر فيه على الاحاديث التي لم يوصل البخاري اسانيدها في مكان آخر من « جامعه » وانظر « ابن حجر ودراسة مصنفاته ... » ١/ ٣٥٨-٣٥٩

(٨) في ٥٤١/١-٥٥٥ منه .

(٩) المتوفى سنة ١٢٦٢ هـ ، نقل العلامة الكاندهلوي في « لامع الدراري » ٤٥٣/١ ـ ٤٥٤ ترجمته من كتاب « الثقافة الاسلامية في الهند » و « حدائق الحنفية » .

(١٠) « اتحاف النبلاء » ١٦١

وقال في آخره : هذا آخرُ كتاب الزكاة ولما بلغت هذا المكان سَكَنَ القلمُ عن الجريان وقد تكاثرتِ العوائقُ عن الكتابةِ لكنّها ما كَفَتْني عن القراءة فالحمد لله على نعمه الوافرة وله الحمد في الأولى والآخرة ، انتهى . ومن خطه رحمه الله تعالى نقلت .

وشرح الشيخ الفاضل نور الحق بن الشيخ عبد الحق بن سيف الدين الترك الدهلوي البخاري مفتي أكبر آباد من بلاد الهند المتوفى سنة ثلاث وسبعين وألف [1] سماه « تيسير القاري » [2] وهو بالفارسية .

وشرح الشيخ العلاّمة عبد الله بن الشيخ سالم البصري المكي المتوفى سنة أربع وثلاثين ومئة وألف [3] . وسماه بـ « ضياء الساري » [4] ، قال السيد آزاد [5] في « تسلية الفؤاد » : وله شرحٌ على صحيح البخاري سار في الأنفس والآفاق سَيْرَ الروح ، ولَعَمْري لقد عزّ أن يُلقى مثلُه في سائر الشروحِ . لكن ضاق الوقتُ عن إكماله وضَنّ الزمانُ الشحيحُ بإفاضة نَوَاله . والنسخة التي نسخها الشيخُ بيده الشريفةِ وهي أصل الأصول للنُسخ الشائعةِ في الآفاق رأيتها عند مولانا محمد أسعد الحنفي المكي من تلامذة الشيخ تاج الدين المكي ببلدة آركات ، أخذها الشيخ عن ولد المصنف

---

(١) ترجمه المصنف في « ابجد العلوم » ٢٢٩/٣ و « اتحاف النبلاء » ٤٢٦ وله ترجمة في « هدية العارفين » ٤٩٩/٢

(٢) وقد طبع طبعة حجرية في لكنو سنة ١٣٠٥ في خمسة مجلدات وكتب العلامة ابو الحسنات اللكنوي تقريظا مفصلا في بدايته .

(٣) ترجمه المصنف في « ابجد العلوم » ١٧٧/٣ والكتاني في « فهرس الفهارس » ١٩٣/١ والبغدادي في « هدية العارفين » ٤٨٠/١

(٤) منه نسخة مخطوطة في ثلاثة مجلدات في مكتبة نور عثمانية ٨٥١-٨٥٣ وأخرى في مكتبة ولي الدين ٥٩٦ في تركيا .

(٥) هو غلام علي ، المتقدمة ترجمته قبل قليل ، واشار الزركلي في «الاعلام» ١٢١/٥ ان كتابه « تسلية الفؤاد » لا يزال مخطوطا .

ارتضاها فاختارَ ذِكْرَها وأورد فيه أسانيدَه المتعددة وألفاظه المختلفةَ . فيَتَيسَّرُ على الطالبِ النظرُ في وجوهِهِ واستثمارِها ، ويحصل له الثقةُ بجميع ما أورده مسلمٌ من طُرُقِهِ بخلاف البخاري ، انتهى [1] . ولقد أنصف الحافظُ عبدُ الرحمن بنُ علي (بن) الدَّيبع اليمني الشافعي [2] في قوله :

إنَّ صحيحَ مسلمٍ يا قاري ... لَبحرُ عِلمٍ ما لهُ مُجاري

سلسالُ ما سُلْسِلَ من حديثه ... أَلَذُّ من مكرورِ البخاري

قال ابنُ الصلاح [3] : شرطُ مسلمٍ في « صحيحه » أن يكونَ الحديثُ متصلَ الإسنادِ بنقل الثقة عن الثقة من أوله إلى منتهاه سالماً من الشذوذ والعلة . قال السيوطي في « الديباج » [4] : والمراد : الثقة عنده ، وإن كان غير ثقة عند غيره ، ولهذا أخرج لست مئة وخمسة وعشرين [5] شيخاً لم يحتجّ بهم البخاريّ . كما أخرج البخاريّ لأربع مئة وأربعة وثلاثين شيخاً [6] لم يحتج بهم مسلم ، انتهى .

فكم من حديثٍ صحيح على شرط مسلم وليس بصحيح على شرط البخاري لكون الرواة عنده ممن اجتمعتْ فيهم الشروطُ المعتبرةُ ولم يثبت عند البخاريّ ذلك ، ثم إنه سلك في كتابه طريقةً حسنة بحيث فُضِّل بسببها على صحيح البخاري . وذلك أنه يجمع المتونَ كلَّها بطرقها في موضع واحد ولا يفرقها في الأبواب ويسوقها تامة ولا يقطعُها في التراجم ،

(١) بتصرف واختصار .
(٢) تقدمت ترجمته .
(٣) وانظر « علوم الحديث » له ص ١٦ و « شرح مسلم » ١٣ ـ هندية .
(٤) هو شرح على « صحيح مسلم » وسيأتي الكلام عليه .
(٥) الذي ذكره السيوطي في « التدريب » ٩٢/١ : ست مئة وعشرون .
(٦) الذي في « التدريب » : اربع مئة وبضعة وثلاثون رجلا .

ثم صنف جماعات من الحفاظ [1] على صحيح مسلم كُتُباً ، وكان هؤلاء تأخروا عن مسلم وأدركوا الأسانيدَ العالية ، وفيهم من أدرك بعضَ شيوخ مسلم فخرّجوا [2] أحاديث مسلمٍ في مصنفاتهم المذكورة بأسانيدهم.

قال الشيخ أبو عمرو [3] : فهذه الكتب المخرجة تلتحق بصحيح مسلم في أن لها سمةَ الصحيح وان لم تلتحق به في خصائصه كلِّها ، ويستفادُ من مخرجاتهم ثلاث فوائد :

علو الإسناد ، وزيادة قوة الحديث بكثرة طرقه ، وزيادة ألفاظ صحيحة مفيدة . ثم إنهم لم يلتزموا موافقته في اللفظ لكونهم يروونها بأسانيد أخَر فيقع في بعضها تفاوت ، فمن هذه الكتب المخرجة على صحيح مسلم :

كتاب العبد الصالح أبي جعفر (أحمد) بن حمدان النَّيْسابوري المتوفى سنة إحدى عشرة وثلاث مئة [4] . و « تخريج » أبي النضر محمد ابن محمد الطوسي الشافعي المتوفى سنة أربع وأربعين وثلاث مئة [5] .

(١) ذكر الامام الذهبي في « السير » ١٢ / ٥٦٩ ـ ٥٧١ تسعة منهم ثم قال : وآخرون لا يحضرني ذكرهم . وذكر الامام العسقلاني في « تهذيبه » ١٢٧/١٠ انه حفظ اكثر من عشرين اماما ممن صنف في المستخرج ، وانظر « الرسالة المستطرفة » ٢١ـ٢٥
(٢) قال السيوطي في « التدريب » ١١٢/١ معرفا المستخرجات : ان يأتي المصنف الى الكتاب ، فيخرج احاديثه باسانيد لنفسه من غير طريق صاحب الكتاب ، فيجتمع معه في شيخه او من فوقه ، وانظر ما علقه الاستاذ شعيب الارناؤوط على « سير » الذهبي ٥٦٩/١٢
(٣) اي : ابن الصلاح ، وانظر « شرح النووي على مسلم » ١ / ١٦ ـ هندية .
(٤) ترجمته في « التذكرة » ٧٦١/٢ و « الشذرات » ٢٦١/٢ و « طبقات الحفاظ » ٣١٠.
(٥) ترجمته في « التذكرة » ٨٩٣/٣ و « اللباب » ٢٨٨/٢ لابن الاثير و « المنتظم » ٣٧٩/٦ ، وتصحفت كنيته في « الاصل » الى : ابي نصر ، بالصاد المهملة تبعا لحاجي خليفة في « الكشف » ، وقيدها بالحروف ابن العماد في « شذراته » ٣٦٨/٢ فقال : بنون وضاد معجمة .

و « المُسند الصحيح » لأبي بكر محمد بن رجاء الإسفراييني الحافظ. وهو متقدم يشارك مُسلماً في أكثر شيوخه ومات سنة ست وثمانين ومئتين [1] . و « مختصر المسند الصحيح على مسلم » للحافظ أبي عَوانة يعقوب بن إسحاق الاسفراييني المتوفى سنة ست عشرة وثلاث مئة [2] . روى فيه عن يونُس بن عبد الأعلى [3] وغيره من شيوخ مسلم . وتخريج أبي حامد أحمد بن محمد الشارِكي الفقيه الشافعي الهرويّ المتوفى سنة خمس وخمسين وثلاث مئة [4] ، يروى عن أبي يعلى الموصلي [5] . و « المُسند الصحيح » لأبي بكر محمد بن عبد البَرّ الجَوْزَقي النيسابوري الشافعي المتوفى سنة ثمان وثمانين وثلاث مئة [6] . و « المسند المُستخرج على مسلم » للحافظ أبي نُعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني المتوفى سنة ثلاثين وأربع مئة [7] — و « المُخرج على صحيح مسلم » [8] لأبي الوليد حسّان بن محمد القرشي الفقيه الشافعي المتوفى سنة تسع وثلاثين وأربع مئة [9] .

(١) ترجمته في « التذكرة » ٢٨٦/٢ و « الشذرات » ١٩٢/٢ و « الجرح والتعديل » ٨٧/٨
(٢) ترجمته في « التذكرة » ٧٧٩/٣ و « طبقات السبكي » ٤٨٧/٢ و« النجوم الزاهرة » ٢٢٢/٣.
(٣) توفي سنة ٢٦٤ هـ ، ترجمته ومصادرها في « سير اعلام النبلاء » ١٢/ ٣٤٨
(٤) ترجمته في « طبقات السبكي » ٩٨/٢ و « طبقات المفسرين » للداودي ٧٦/١ و « طبقات المفسرين » للسيوطي ٥
(٥) توفي سنة ٣٠٧ ، ترجمته ومصادرها في « سير اعلام النبلاء » ١٤ / ١٧٤
(٦) ترجمته في « التذكرة » ١٠١٣/٣ و « الوافي بالوفيات » ٣ / ٣١٦ و « طبقات السبكي » ١٦٩/٢ وقول المصنف : محمد بن عبد البر ، تحريف ، صوابه : محمد بن عبدالله ، كما في مصادر الترجمة .
(٧) ترجمته في « المنتظم » ١٠٠/٨ و « غاية النهاية » ٧١/١ و « معجم البلدان » ٢١٠/١.
(٨) منه اجزاء مخطوطة في المكتبة الظاهرية بدمشق ، برقم حديث ١١٦ـ ١١٧
(٩) كذا قال ، وهو وهم تابع فيه صاحب « كشف الظنون » ، والصواب: =

ولصحيح مسلم شروح كثيرة ، منها شرح الإمام الحافظ أبي زكريا محي الدين يحيى بن شرف الحِزامي النووي الشافعي [1] المتوفى سنة ست وسبعين وست مئة . وهو شرح متوسط مفيد يكون في مجلدين أو ثلاثة غالباً سماه « المنهاج في شرح صحيح مسلم بن الحَجّاج » أوله : الحمد لله البر الجواد الذي جلّت نِعَمُه عن الإحصاء بالأعداد ، الخ . قال فيه : وأما « صحيح مسلم » فقد استخرتُ اللهَ الكريمَ في جمع كتاب في شرحه متوسط ، بين المختصرات والمبسوطات ، لا من المختصرات المخلات ، ولا من المطوَّلات المملّات ، ولولا ضعفُ الهمم ، وقلةُ الراغبين ، وخوف عدم انتشار الكتاب لقلة الطالبين للمطولات لبسطته . فبلغت به ما يزيد على مئة من المجلدات ، من غير تكرار ولا زيادات عاطلات ، لكني أقتصر على المتوسط وأحرص على ترك الإطالات ، انتهى .

وذكر في مقدمته فصولاً متتابعات هي لجيد التحقيقات كالتتميمات . وقد طبع مرتين في الدهلي من ديار الهند [2] أولاً في المطبع الأحمدي وثانياً في مطبع الشيخ أحمد التاجر . ومادة تأريخ طبعه أخيراً : « أحمده على انطباع صحيح مسلم وشرحه » : أي للنووي .

ومختصر هذا الشرح للشيخ شمس الدين محمد بن يوسف القونوي الحنفي المتوفى سنة ثمان وثمانين وسبع مئة [3] .

وشرح القاضي عياض بن موسى اليَحْصُبي المالكي المتوفى سنة أربع

(١) ترجمته في « فوات الوفيات » ٢٦٤/٤ و « طبقات ابن قاضي شهبة » ١٩٤/٢ و « التذكرة » ١٤٧٠/٤
(٢) وانظر طبعاته الاخرى في « تاريخ التراث » ٢٥٨/١ـ٢٥٩
(٣) ترجمته في « النجوم الزاهرة » ٣٠٩/١١ و « الدرر الكامنة » و « الفوائد البهية » ٢٠٢

وأربعين وخمس مئة [1] سماه «إكمال المُعلم في شرح صحيح مسلم» [2] كمّل به «المُعْلِم» [3] للمازَري وهو شرح أبي عبد الله محمد بن علي المازَري المتوفى سنة ست وثلاثين وخمس مئة [4] وسماه «المُعْلم بفوائد كتاب مسلم» [5].

وشرح أبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي المتوفى سنة ست وخمسين وست مئة [6] وهو شرح على مختصره [7]. له ذكر فيه انه لما لخصه ورتبه وبوّبه شرح غ يبه ونبه على نكت من إعرابه على وجوه الاستدلال بأحاديثه وسماه «المُفهم لما أُشكل من تلخيص كتاب مسلم» [8] أوله: الحمد لله كما وجب لكبريائه وجلاله، الخ.

ومنها شرح الإمام أبي عبد الله محمد بن خِلفة الوَشْتاني الأبيّ المالكي المتوفى سنة سبع وعشرين وثمان مئة [9] وهو كبير في أربع مجلدات. أوله:

(1) ترجمته في «تهذيب الاسماء» ٢/٤٣ و «التذكرة» ٤/١٣٠٤ و«النجوم الزاهرة» ٥/٢٨٦، وللمقري كتاب «ازهار الرياض في اخبار القاضي عياض» مطبوع في خمسة مجلدات.
(2) «تاريخ التراث» ١/٣٥٤
(3) المصدر السابق.
(4) ترجمته في «وفيات الاعيان» ٤/١٥١ و «ازهار الرياض» ٣/١٦٥ و «الشذرات» ٤/١١٢
(5) تقدمت ترجمته.
(6) تقدم ذكره.
(7) «تاريخ التراث» ١/٣٥٦
(8) قال المقري في «نفح الطيب» ٢/٦١٥ واصفا شرح القرطبي المذكور: وهو من أجل الكتب، ويكفيه شرفا اعتماد الامام النووي ــ رحمه الله تعالى ــ عليه في كثير من المواضع، وفيه اشياء حسنة مفيدة.
(9) ترجمته في «البدر الطالع» ٢/١٦٩ و «شجرة النور» ٢٤٤ و«نيل الابتهاج» ٢٨٧ وتحرف نسبه في «الاصل» الى: الوشنالي، وانظر «تبصير المنتبه» ١/٣١

الجوزي المتوفى سنة أربع وخمسين وست مئة [1].

وشرح أبي الفرج عيسى بن مسعود الزواوي المتوفى سنة أربع وسبع مئة [2] وهو شرح كبير في خمسة مجلدات جمع من «المُعْلم» و «الإكمال» و «المُفهم» و «المنهاج».

وشرح القاضي زين الدين زكريا بن محمد الأنصاري الشافعي المتوفى سنة ست وعشرين وتسع مئة [3] ذكره الشعراني [4]، وقال: غالب مُسوَّدته بخطي [5].

وشرح الشيخ جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي المتوفى سنة إحدى عشرة وتسع مئة سماه «الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج» [6].

أوله: الحمد لله الذي سلك بأصحاب الحديث أوضحَ نهجَة وخصهم بما دعا به نبيّهم صلى الله عليه وسلم من النّضرة في وجوههم والبَهْجَة إلخ. وذكر في أوله فصولاً في شرط مسلم ومصطلحه في كتابه وتسمية

(1) ترجمته في «النجوم الزاهرة» ٧/٣٩ و «البداية والنهاية» ١٣/١٩٤ و «الشذرات» ٥/٢٦٦
(2) كذا قال، وهو وهم، والصواب ٧٤٣ هـ، كما في مصادر ترجمته، وانظر «الدرر الكامنة» ٣/٢٨٩ و «حسن المحاضرة» ١/٤٥٩ و«البدر الطالع» ١/٥١٩ وتحرفت كنيته في الاصل الى ابي الفرج، وهو تحريف تابع فيه صاحب «كشف الظنون».
(3) ترجمته في «الكواكب السائرة» ١/١٩٦ و «الشذرات» ٨/١٣٤ و «البدر الطالع» ٢/٢٥٢
(4) هو عبد الوهاب بن احمد، المتوفى سنة ٩٧٣، ترجمته في «الكواكب السائرة» ٣/١٧٦ و «الشذرات» ٨/٣٧٢ و «هدية العارفين» ١/٦٤١
(5) انظر «طبقات الشعراني» ٢/١٢٢
(6) انظر «تاريخ التراث» ١/٣٦٠.

من ذُكر فيه بكنيته على ترتيب حروف الهجاء من الألف إلى الياء، وتعريف من ذكر بالبنوّة وضبط ما يخشى التباسُه من الأسماء والألقاب كذلك.

وهو لطيفٌ مختصرٌ مشتملٌ على ما يحتاجُ إليه القارىءُ والمستمعُ مِن ضَبْطِ ألفاظه وتفسيرِ غريبه وبيان اختلاف رواياتِه على قلتها وتسمية مُبهم وإعراب مُشكل وجمع بين مختلف، وإيضاح وَهْمٍ، بحيثُ لا يفوتُه من الشرح إلاّ الاستنباط.

وشرح الإمام قوام الدين أبي القاسم إسماعيل بن محمد الأصبهاني الحافظ المتوفى سنة خمس وثلاثين وخمس مئة [1].

وشرح الشيخ تقي الدين أبي بكر الحِصْني الشافعي الدمشقي المتوفى سنة تسع وعشرين وثمان مئة [2]. وشرح الشيخ شهاب الدين أحمد بن محمد الخطيب القسطلاني الشافعي المتوفى سنة ثلاث وعشرين وتسع مئة [3] وسماه «منهاج الديباج [4] بشرح صحيح مسلم بن الحجاج» بلغ إلى نصفه في ثمانية أجزاء كبار.

وشرح مولانا علي بن سلطان محمد الهروي القاري نزيل مكة المكرمة المتوفى سنة ست عشرة وألف [5]، أربعة مجلدات.

ولصحيح مسلم مختصرات منها:

(1) ترجمته في «طبقات الداوودي» ١ / ١٢ و «المنتظم» ١٠ / ٩٠ و «التذكرة» ٤/١٢٧٧
(2) ترجمته في «الضوء اللامع» ١١/٨١ و «الشذرات» ٧/١٨٨ و«البدر الطالع» ١/١٠٩
(3) تقدمت ترجمته.
(4) في «الكشف»: «منهاج الابتهاج ...».
(5) تقدمت ترجمته.

عليم بـأسرة الأحاديث كلها   فلولاه ما يُدرى الصحيح من الحسن

وقال بعضهم فيه:

كتاب الترمذيّ رياض علم   جَلَتْ أزهاره زهرَ النجومِ
بـه الآثار واضحـة أبينت   بـألفاظ أقيمت كالرسومِ
وأعـلاها الصّحاحُ وقد أنارت   نجومـاً للخصوصِ وللعمومِ
ومِن حسَنٍ يليهـا أو غريبٍ   وقد بانَ الصحيحُ من السقيمِ
فعلّله أبـو عيسى مبينـاً   معالمه لأربـاب العلومِ
وطرّزَهُ بـآثارٍ صحاح   تخيّرها أولو النظر السليم
من العلمـاء والفقهـاء قُدُماً   وأهـل الفضل والنهج القويم
فجاء كتـابهُ عِلقاً نفيسـاً   تفنّنَ فيـهِ أرباب العلوم
ويقتبسون منـه نفيسَ علـم   يفيد نفوسَهم أسنى الرسوم
كتبنـاهُ روَيْنـاهُ لنروى   مـن التسنيمِ في دار النعيم
وغاص الفكرُ في بحر المعـاني   فـأدرك كلّ معنىً مستقيم
جزى الرحمنُ خيراً بعدَ خير   أبا عيسى على الفعل الكريم

وله شروح منها:

شرح الحافظ أبي بكر محمد بن عبد الله الإشبيلي المعروف بابن العربي المالكي المتوفى سنة ست وأربعين وخمس مئة [1] سماه «عارضةُ الأحوذي في شرح الترمذي» [2]. قال ابن خلّكان [3]: أما معنى عارضة الأحوذي،

(1) كذا قال، والصواب سنة ٥٤٣ كما في مصادر ترجمته.
(2) وهو مطبوع في القاهرة سنة ١٣٥٢ هـ
(3) هو احمد بن محمد بن ابراهيم المتوفى سنة ٦٨١ صاحب «وفيات الاعيان» ترجمته في «النجوم الزاهرة» ٧/٣٥٣ و «البداية والنهاية» ١٣/٢٠١ و «المختصر في اخبار البشر» ٤/١٧

وشرح زين الدين عبد الرحمن بن أحمد (بن النقيب) [1] الحنبلي المتوفى سنة (خمس وتسعين وسبع مئة) [2] وهو في نحو عشرين مجلداً وقد احترق في الفتنة [3] .

وشرح جلال الدين السيوطي سماه « قوت المُغتذي على جامع الترمذي » [4] .

وشرح الحافظ زين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي المتوفى سنة خمس وتسعين وسبع مئة [5] .

وشرح الشيخ أبي الحسن بن عبد الهادي السندي المدني المتوفى سنة تسع وثلاثين ومئة وألف [6] بالحرم النبوي وهو شرح لطيف بالقول [7] .

وله مختصرات منها :

« مختصر الجامع » [8] لنجم الدين محمد بن عقيل البالسي الشافعي المتوفى سنة تسع وعشرين وسبع مئة [9] .

---

(١) مقحمة لا مكان لها ، وكذلك عند حاجي خليفة .
(٢) زيادة على الاصل ، وانظر ترجمته في « الدرر الكامنة » ٢/٤٢٨ وطبقات الحفاظ للسيوطي ٥٣٦ و « الشذرات » ٦/٣٣٩
(٣) انظر لزاما « العلل في الحديث » ٢٦٤ للدكتور همام عبد الرحيم ، و « تاريخ التراث العربي » ١/٣٦٦ لسزكين .
(٤) طبع في الهند ـ كوانبور سنة ١٢٩٩ هـ .
(٥) هو المار ذكره قريبا ; وقد اختلط امره على صاحب « كشف الظنون » وقلده المصنف رحمه الله .
(٦) ترجمته في « سلك الدر » ٤/٦٦ للمرادي ، و « تاريخ الجبرتي » ١/٨٥ و « الاعلام » ٦/٢٥٣
(٧) قال في « الكوكب الدري » ١/٣٨ ، وقد طبع هذا الشرح مع جامع الترمذي بمصر .
(٨) منه مجلدان في المكتبة الوطنية في باريس ٧١٠ ـ ٧١١
(٩) ترجمته في « طبقات السبكي » ٦/٢٣ و « الدرر الكامنة » ٤/٥٠ و « النجوم الزاهرة » ٩/٢٨٠

وهذّبه محمد بن أبي بكر المعروف بابن قيّم الجوزيّة الحنبلي [1] المتوفى سنة إحدى وخمسين وسبع مئة [2] . وشرحها أبو سُليمان حمد [3] بن إبراهيم الخطّابي وسماه « معالم السّنن » وهو مختصر [4] . أوله : الحمد لله الذي هدانا لدينه ، وأكرمنا بسنة نبيه ... إلى آخره . توفي رحمه الله سنة ثمان وثمانين وثلاث مئة . ولخّصه [5] الحافظ شهاب الدين أبو محمود أحمد بن محمد بن إبراهيم المقدسي المتوفى سنة تسع وستين وسبع مئة [6] وسماه « عجالة » [7] . وشرحها الشيخ جلال الدين السيوطي المتوفى سنة إحدى عشرة وتسع مئة أيضاً [8] وسماه « مرقاة الصعود إلى سنن أبي داود » [9] . وشرح الشيخ سراج الدين عمر بن علي بن المُلقّن الشافعي المتوفى سنة أربع وثمان مئة [10] « زوائده على الصحيحين » في مجلدين .

---

(١) ترجمته في « الدرر الكامنة » ٤/٢١ و « ذيل طبقات الحنابلة » ٢/٤٤٧ و « النجوم الزاهرة » ١٠/٢٤٩ ، وقد قام أخونا الشيخ خالد محمد علي الحاج بكتابة رسالة لنيل شهادة الدكتوراه عن حياته واصلاحه ، فجزاه الله خيرا .
(٢) وهو مطبوع في الهند ، ثم في مصر بتحقيق العلامة أحمد شاكر والشيخ حامد الفقي سنة ١٩٤٨ ، وسيكرر المصنف ذكره بعد قليل .
(٣) في الاصل : احمد . تبعا لحاجي خليفة !!
(٤) مطبوع في حلب ، ثم في مصر ، وسيكرره المصنف بعد قليل .
(٥) اي : « معالم السنن » .
(٦) له ترجمة في « الانس الجليل » ٤٩٩ ـ ٥٠٠ ، وفيه تاريخ وفاته سنة ٧٦٥ وسيكرره المصنف ويذكر وفاته على الصحيح .
(٧) وتمامه : « عجالة العالم من كتاب المعالم » .
(٨) وضع المصنف رحمه الله كلمة « ايضا » بعد تاريخ وفاته ، فأوهم أن من قبله توفي سنة ٩١١ هـ ، وليس كذلك ، أما الذي في « كشف الظنون » فهو : وشرحها السيوطي ايضا ... ، فهذا من تصرف المصنف رحمه الله .
(٩) تقدم الكلام حوله .
(١٠) ترجمته في « الضوء اللامع » ٦/١٠٠ و « حسن المحاضرة » ١/٤٣٨ و « ذيل تذكرة الحفاظ » ٣٦٩

ووليّ الدين العراقي [1] ، والشيخ شهاب الدين أحمد بن حسين الرَّمْلي المقدسي الشافعي ، المتوفى سنة أربع وأربعين وثمان مئة [2] . وشرحها قطبُ الدين أبو بكر بن أحمد بن دُعَيْن [3] اليمني الشافعي المتوفى سنة اثنتين وخمسين وست مئة [4] ، في أربعة مجلدات كبار . وشرحه أبو زُرعة أحمدُ بنُ عبد الرحيم العراقي المُتوفى سنة ست وعشرين وثمان مئة [5] ، كتَبَ منه سبعة مجلدات إلى أثناء سجود السهو ، أطالَ فيه .

قال الجلال السيوطي : وشرحُ الشيخ وليّ الدين العراقي شرحٌ عليه مبسوطٌ جداً . كتب منه من أوله إلى سجود السهو في سبعة مجلدات وكتب مجلداً فيه الصيام والحج والجهاد . ولو كَمُل لجاء في أكثرَ من أربعينَ مجلداً .

وذكر أن الشهاب بن رسلان [6] شرحَه شرحاً كاملاً ، ولم أقِفْ عليه ، انتهى . وشرحها الحافظ علاء الدين مُغُلْطاي بن قُلَيج المتوفى سنة اثنتين وستين وسبع مئة ولم يُكْمِله [7] . وشرحها الخطّابي وسماه

---

(١) سيكرر المصنف ذكره بعد سطور .
(٢) ترجمته في « الانس الجليل » ٢/٥١٥ و « شذرات الذهب » ٧/٢٤٨ و « البدر الطالع » ١/٤٩ ، ويوجد من شرحه المذكور نسخة في مكتبة مراد ملا في تركيا برقم ٤٣٨ ـ ٤٤٨ جونا ـ ٢
(٣) كذا الاصل متابعا لحاجي خليفة ، وفي « الشذرات » : دعسين وصحح الظاهري في كتابه ص ٨٠ أنه دعسين . والله أعلم .
(٤) في « الكشف » : وسبع مئة ، وهو الصواب كما في « الشذرات » ٦/١٧١
(٥) ترجمته في « لحظ الالحاظ » ٢٨٤ و « البدر الطالع » ١/٧٢ و « الضوء اللامع » ١/٣٣٦
(٦) هو أحمد بن حسين الرملي الذي تقدمت ترجمته ، وقوله : « رسلان » ، قال الشوكاني : بالهمزة ، وقد تحذف في الاكثر ، بل هو الذي عليه الالسنة « البدر الطالع » ١/٤٩
(٧) « طبقات الحفاظ » ٥٣٤ للسيوطي .

والرابع : الذي فيه وهنٌ شديد .

وقوله : ما لا ، يُفهمُ منه الذي فيه وهَنٌ ليس بشديد فهو قسم خامس .

فإن لم يعتضد كان صالحاً للاعتبار فقط ، وإن اعتضد صار حسناً لغيره أي للهيئة المجموعة للاحتجاج وكان قسماً سادساً انتهى من « حاشية البِقاعي على شرح الألفية » [1] .

قال ابن كثير في « مختصر علوم الحديث » [2] : إن الروايات لسنن أبي داود كثيرة ، يوجد في بعضها ما ليس في الأخرى .

وشرحها شهابُ الدين أبو محمد [3] أحمد بن محمد بن إبراهيم بن هلال المقدسي من أصحاب المِزّي بالقدس سنة خمس وستين وسبع مئة وسماه « انتحاء السّنن واقتفاء السّنن » [4] . أوله : الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهُدى ...

وشرح قطعةً منها العلاّمةُ بدر الدين محمود بن أحمد العَيْني الحنفي المُتوفى سنة خمس وخمسين وثمان مئة [5] . وشرحها أبو الحسن السِّندي المذكور آنفاً وهو شرحٌ لطيف بالقول [6] .

---

(١) واسمه « النكت الوفية » منه نسخة مخطوطة في مكتبة الاوقاف في بغداد رقم ٤٩١ ـ حديث ، وانظر لزاما « سير أعلام النبلاء » ١٣ / ٢١٤ و ٢١٥ والتعليق عليه ، و « توضيح الافكار » للامام الصنعاني ١/٢٠١ـ٢١٦
(٢) « الباعث الحثيث » ٤١
(٣) كذا في الاصل تبعا لما في « كشف الظنون » وهو تحريف ، صوابه : ابو محمود ، وهو صاحب « عجالة العالم » الذي تقدمت ترجمته .
(٤) منه نسخة في مكتبة لاله لي ـ تركيا في اربعة مجلدات برقم ٤٩٨ ـ ٥٠١
(٥) توجد مخطوطة في دار الكتب المصرية برقم حديث : ٢٨٦ ، وانظر « فهرست معهد المخطوطات » ١/٨٤
(٦) واسم شرحه : « فتح الودود على سنن ابي داود » وقد طبع بالهند .

وإن شئت الحق الصريح فالموطأ مقدم على الكل [1] .

قال صاحب « كشف الظنون » [2] : شرح قطعة منها في خمسة مجلدات الحافظ علاء الدين مُغُلْطاي بن قُلَيْج المتوفى سنة اثنتين وستين وسبع مئة [3] ، والجلال الدين السيوطي المتوفى سنة إحدى عشرة وتسع مئة تماماً سماه « مصباح الزجاجة على سنن ابن ماجه » [4] ، أوله : الحمد لله ذي الجلال والإكرام .

وشرحها الحافظ برهان الدين إبراهيم بن محمد الحلبي سبط ابن العَجَمي المتوفى سنة إحدى وأربعين وثمان مئة .

وشرحها الشيخ كمال الدين بن موسى الدَّميريّ الشافعي المتوفى سنة ثمان وثمان مئة في نحو خمسة مجلدات سماه « الديباجة » مات قبل تحريره . وشرح الشيخ سراج الدين عُمر بن علي بن الملقّن الشافعي المتوفى سنة أربع وثمان مئة زوائده على الخمسة — أعني الصحيحين وأبي [5] داود والترمذي والنسائي — في ثمانية مجلدات سماه « ما تمس إليه الحاجة على سنن ابن ماجه » . وألحَقَ في خطبته بيانَ من وافقه من باقي الأئمة الستة مع ضبط المشكل من الأسماء والكُنى وما يحتاجُ إليه من الغَرائبِ مما لم يوافقِ الباقينَ ، ابتدأه في ذي القعدة سنة ثمان مئة ، وفرغ في شوّال من السنة التي تليها .

وشرحه الشيخ أبو الحسن بن عبد الهادي السِّنْدي المدني المتوفى سنة

(١) وقد تقدم بيان ذلك مفصلا .
(٢) في ٢/١٠٠٤ منه .
(٣) وقد سماه « الإعلام بسننه عليه السلام » منه اجزاء في دار الكتب المصرية حديث ٢٧٥ وبنكيبور ١٢٨/١/٥ رقم ٢٢١ وفيض الله ٢٦٢
(٤) وقد طبع في الهند سنة ١٢٨٢ هـ .
(٥) كذا الاصل ، والجادة : ابا .

وأما ثناءُ الناس عليه بالحفظِ والورَع والزهد وغيرِ ذلك فقد وصفه غيرُ واحد بأنه كان أحفظَ أهل زمانه وفارسَ ميْدانه ، كلمةٌ شَهِدَ له بها الموافقُ والمخالفُ وأقرّ بحقيقتها المُعادي والمؤالف . وكان لَقَبُهُ في المحدثين « أميرَ المؤمنين في الحديث » و « ناصرَ الأحاديث النبوية » و « ناشر المواريث المحمدية » .

قال الشيخ تاج الدين السبكي في « طبقاته » [1] : كان البخاري إمام المسلمين وقدوة المؤمنين وشيخ الموحدين والمعول عليه في أحاديث سيد المرسلين [1] .

قال [2] : وقد ذكره أبو عاصم في « طبقات » [3] أصحابنا الشافعية وقال [4] : سمع من الزَّعفَراني وأبي ثور والكرابيسي . قال ولم يرو عن الشافعي في « صحيحه » لأنه ادرك أقرانه ، والشافعيّ مات مكتهلاً فلا يرويه نازلاً [5] . انتهى .

نعم ذكره البخاريّ في « صحيحه » في موضعين في الزكاة وفي تفسير العرايا .

وقال الحافظُ عمادُ الدين بنُ كثير في تاريخه « البداية والنهاية » [6] : كان إمامَ الحديث في زمانه والمُقتدى به في أوانه ، والمُقدَّم على سائر أضرابه وأقرانه .

(١) « طبقات الشافعية الكبرى » ٢/٢١٢
(٢) المصدر السابق نفسه .
(٣) « طبقات فقهاء الشافعية » ٥٣ـ٥٤ لمحمد بن احمد العبادى المتوفى سنة ٤٥٨ هـ . له ترجمة في « الوفيات » ٤/٢١٤
(٤) يعني العبادي .
(٥) وتتمة عبارته في « الطبقات » : وقد وجدوه عاليا .
(٦) ١١/٢٤

يعني : إلى سيستان وهو بين السِّند وهَرَاة متصل قَنْدَهار ، ووقع فيه أيضاً جشت . وكان البُسْت دار السلطنة لهذا الملك قديماً ، وتقول العرَبُ في نسبته : سِجزيّ أيضاً [5] ، انتهى .

ولد سنة اثنتين ومائتين ، وكان أحد حفاظ الحديث وعلمه وعلله وفي الدَّرجةِ العليا من النُّسُكِ والصلاح وعلم الفقه والورع والإتقان ، طَوّفَ البلاد وكتب عن العراقيّين والخراسانيّين والشاميّين والمصريّين والجزَريّين والثّغريّين وغيرهم :

وجمع كتاب « السنن » قديماً وعرضه على الإمام أحمد فاستجاده واستحسنه [6] . وعده الشيخ أبو إسحاق الشيرازي في « طبقات الفقهاء » [7] من جملة أصحاب الإمام أحمد . واختلف في مذهبه فقيل : حنبلي وقيل :

(١) في « معجم البلدان » ٣/١٩١ : سجستان ، ايضا .
(٢) « وفيات الاعيان » ٢/٤٠٤
(٣) في « بستان المحدثين » وقد تقدمت الاشارة اليه .
(٤) في « طبقاته » ٢/٢٩٣
(٥) وانظر « التاج المكلل » ٥٤ للمصنف رحمه الله .
(٦) « تاريخ بغداد » ٩/٥٦
(٧) ص ١٧١

449/5

شافعي ، وكتب عنه شيخه أحمد ابن حنبل حديث العتيرة [1] .

قال الحافظ موسى بن هارون : خلق أبو داود في الدنيا للحديث وفي الآخرة للجنة [2] .

وما رأيت أفضل منه وأحاديثه ما بين صحيح وحسن ودون ذلك .

قيل : اختار الفَقْرَ وصبَرَ عليه سبعينَ سنةً ولم يقبَلْ في تلك المدة قطّ شيئاً من أحدٍ .

قال محمدُ بنُ موسى : أرسَلَ من مصر إلى حسن بن عبد العزيز ببغداد ميراثه مائةَ ألف دينار فأهدى منه ثلاث مئة دينار إلى أحمدَ وقال : إن هذا المالَ وصَلَ إليّ ميراثاً من وجه الحلال فخُذْهُ وأنفِقْهُ في عيالك ، قال : ما لي إليه حاجةٌ ، ولم يأخذ منه شيئاً .

ومِن أقوى الحُجَج وأسنى البراهين على عُلُوِّ مقام هذا الإمام الأجَلّ الأكرَم ورفْعة مكانه ، وقوة مذهبه ، واجتهاده أنّ الغَوْثَ الأعظم والقُطْبَ الأفخم [1] الشيخ عبد القادر الجيلاني رضي الله عنه حاملُ مذهبِه وتابعُ أقوالِه . ولذلك ثَبَتَ ذِكْرُهُ في الحنابلة [2] وكان حنبلياً على المشهور المقرّر ، انتهى .

وبالجملة فتصانيفُ أحمدَ كثيرةٌ ، منها « التفسير المبسوط » ، وكتاب « الزهد » [3] وكتاب « الناسخ والمنسوخ » ، وكتاب « المناسك الكبير » ، وكتاب « المنسك الصغير » ، وكتاب « حديث شعبة » ، و « فضائل الصحابة » [4] عموماً . و « فضائل أبي بكر الصديق » ، و « فضائل الحسين » خصوصاً ، وكتاب « التاريخ » . وكتاب « الأشربة » [5]

(١) انظر عن حكم هذه الالقاب كلام شيخ الاسلام ابن تيمية في « مجموع الفتاوى » ١١/٤٣٣ـ٤٤١
(٢) كما في « ذيل طبقات الحنابلة » ١/٢٩٠
(٣) وهو مطبوع بتحقيق الشيخ عبد الرزاق حمزة .
(٤) طبع حديثا في مجلدين بتحقيق الشيخ وصي الله بن محمد عباس ضمن مطبوعات جامعة ام القرى .
(٥) طبع بتحقيق الشيخ صبحي السامرائي حفظه الله .

زمانے تک سند کے اعتبار سے بالکل صحیح تھیں ان کے زمانہ کے بعد اگر نیچے آ کر ان میں سے بعض احادیث کی سندوں میں ضعف پیدا ہو گیا ہو تو اس بعد والے ضعف کی وجہ سے امام اعظمؒ کا مسئلہ اور حدیث کی صحت کا فیصلہ متاثر نہ ہوگا۔ اور ہمارا اعتماد امام اعظمؒ کے فیصلہ پر ہے۔ پس یہ بعد والا ضعف ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی ہمیں اس کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔

امر سوم:

غیر مجتہدین کے لیے اجتہادی مسئلہ میں اس مجتہد کی تقلید واجب ہے جو ان کے نزدیک باقی مجتہدین کے مقابلہ میں زیادہ ماہر ہے اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقیوں کے درستی غالب ہے خواہ یہ اجتہادی مسئلہ حدیث کے ضعف وصحت کا ہو یا نماز، روزہ وغیرہ کا شرعی مسئلہ ہو یا احادیث کے معانی کی تشریح ہو اور غیر مجتہدین کو نہ مجتہدین کی تحقیق پر اعتراض کرنے کا حق ہے اور نہ ہی ان کو مجتہدین کے مقابلہ میں جاہلانہ اجتہاد کی اجازت ہے۔ بغیر اہلیت اجتہاد کے دعویٰ اجتہاد کوئی پاگل ہی کر سکتا ہے نہ کہ عقل مند!

امر چہارم:

اجتہادی مسائل شرعیہ کی تین قسمیں ہیں:

1- وہ مسائل جو کتاب وسنت میں مذکور نہیں جیسے مکوڑا، مچھر، بھڑ وغیرہ کھانے میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟ انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، ٹیلی فون کے ذریعے نکاح، روزے میں انجکشن وغیرہ

2- وہ مسائل جن کے ادلہ متعارض ہیں، جیسے: ''رفع یدین، قراۃ خلف الامام وغیرہ ۔مسائل میں اثبات ونفی کی حدیثیں موجود ہیں اور محدثین نے کتب حدیث میں دونوں قسم کے باب قائم کر کے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں۔

3- وہ مسائل جن کے ادلہ میں تعارض نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے ان میں کئی احتمالات ہیں، مثلاً: ''قرآن کریم میں ہے:''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ'' قروء جمع ہے قرء کی ''قرء'' کا معنی لغت میں ''حیض'' بھی ہے اور ''طہر'' بھی۔ امام شافعیؒ نے ''طہر'' والا معنی مراد لیا ہے۔ یعنی مطلقہ عورتیں تین طہر عدت گزاریں جبکہ امام اعظمؒ نے ''حیض'' والا معنی مراد لیا ہے۔ یعنی مطلقہ عورتیں تین حیض عدت گزاریں غیر مجتہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل اجتہادیہ کی تینوں قسموں میں اس مجتہد کے اجتہاد کی تقلید کریں جو ان کے نزدیک کتاب وسنت کا زیادہ ماہر ہے اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقی مجتہدین کے درستی غالب ہے اس

کے علاوہ ان کے لیے عمل کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ عقلاً جائز ہے نہ شرعاً!

غیر مقلدین سے گفتگو کے آداب:

غیر مقلدین سے گفتگو کے لیے چند آداب ہیں:

1- چونکہ غیر مقلدین، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء کے بارے میں نہایت گستاخانہ اور مخاصمانہ انداز اختیار کرتے ہیں جس کے ردعمل میں غصہ آ جانا غیر فطری نہیں ہے لیکن غیر مقلدین بعد میں پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ ''ہم تو مسئلہ سمجھنا چاہتے ہیں اور سنی غصہ ہو جاتے ہیں، لڑنے لگ جاتے ہیں۔'' اس لیے سنی حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر ضبط پیدا کریں اور گفتگو کے دوران حلم اور وقار والی اپنی شان قائم رکھیں تا کہ آپ کے وقار میں فرق نہ آئے اور غیر مقلدین آپ کے خلاف غلط پروپیگنڈا نہ کر سکیں۔

2- گفتگو سے قبل رسالہ ہذا میں ہر مسئلہ کے اندر جو ان کا عمل و موقف لکھا گیا ہے ان کو اس کا پابند کیا جائے کہ مؤقف طے کیے بغیر بات کرنا تضیع اوقات اور بے فائدہ ہے اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو ان سے عمل و مؤقف کے غلط ہونے پر تحریر لیں اور دستخط کرائیں پھر اس کے غلط ہونے پر صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں اور متبادل صحیح موقف اور اپنا عمل تحریر کریں جب تک یہ مرحلہ طے نہ ہو جائے، آگے بات نہ چلائیں۔ اگر وہ اس عمل و مؤقف کو غلط لکھیں نہ اس کے غلط ہونے پر حدیث پیش کریں تو پھر اس عمل و مؤقف کے صحیح ہونے پر صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث پیش کریں۔

3- غیر مقلدین کی عادت ہے کہ وہ ایک بات پر قائم نہیں رہتے پہلے وہ ایک مسئلہ شروع کریں گے جب وہ اس کے کسی مرحلہ میں پھنس جائیں گے تو اس کو چھوڑ کر دوسرا مسئلہ شروع کر دیں گے لیکن آپ اس کو دوسرے مسئلہ کی طرف ہرگز نہ جانے دیں جب تک پہلا مسئلہ طے نہ ہو جائے اس وقت تک دوسرا مسئلہ ہرگز شروع نہ کریں اور اگر وہ شروع کر ہی دیں تو آپ ان کے پیچھے نہ چلیں بلکہ ان کو اسی پہلے مسئلہ کی طرف کھینچ کر لے آئیں۔

4- بے علم یا کم علم آدمی دلائل پیش کرنے کے بجائے شور مچا کر آواز اونچی کر کے تیز تیز بول کر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اور اکثر غیر متعلق باتیں کرتا ہے۔ یہی عادت غیر مقلدین کی ہے اس لیے غیر مقلد جتنا شور مچائے آپ حلم و وقار کے ساتھ سنتے رہیں جب وہ خاموش ہو تو زیر بحث موضوع پر آپ بات کریں اور وقت ضائع کرنے پر اس کو تنبیہ کریں اور اس کی غیر متعلقہ باتوں کے جواب کے درپے نہ ہوں اور اگر خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ وقت طے کر

لیں کہ فریقین میں سے ہر ایک پانچ، پانچ منٹ بات کرے گا اس ترتیب سے زیر غور مسئلہ پر بحث کو مکمل کریں۔

5- دانشمندوں کا قول ہے عالم کو قائل کرو دلیل سے اور جاہل کو قائل کرو سوال سے۔ دراصل عالم میں علم و شعور اور ذہنی وسعت ہوتی ہے وہ دلائل کو سُنے گا غور کرے گا تو مان جائے گا، بشرطیکہ مخلص ہو۔ جبکہ جاہل آدمی شعور و آگہی سے خالی ہوتا ہے اس میں دلائل کو سمجھنے اور سمجھ کر سوچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس پر سوال کیا جائے تا کہ وہ اپنے آپ کو عاجز پا کر بات مان لے۔ چونکہ آج کل اکثر غیر مقلدین جاہل ہیں لیکن چند اردو رسالے پڑھ کر انہوں نے عالم ہونے کا روپ دھارا ہوا ہے جو چند غیر مقلدین کچھ علم پڑھے ہوئے ہیں وہ بوجہ ضد و تعصب جاہلوں کی رَوِش اختیار کر چکے ہیں اس لیے اب غیر مقلد عالم ہو یا غیر عالم سب کو قائل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سوالات کا طریقہ کار اختیار کیا جائے اور سوالات وہ کیے جائیں جو کتاب و سنت میں صراحتاً مذکور نہ ہوں مگر پیش آتے رہتے ہوں۔ احقر کے رسالے ''خدا کے واسطے مجھے اہل حدیث بنالو'' اور اشتہار ''میں اہل حدیث کیوں نہیں ہوا'' میں لاجواب سوال ہیں اور حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین کے مجموعہ ''تجلیات صفدر'' میں سینکڑوں سوالات موجود ہیں غیر مقلدین کے ڈھول کا پول کھولنے کے لیے یہ بہترین طریقہ ہے۔

6- اگر کوئی آدمی خالی الذہن ہو یا متردد ہو تو اس کو اپنا موقف خوب دلائل اور وضاحت کے ساتھ سمجھائیں اور غیر مقلدین کے دھوکے بھی بتلائیں، غیر مقلدین کا عمل و موقف اس کو سمجھائیں اور تحریر بھی کر دیں مزید اس کو یہ بھی بتا دیں کہ اگر غیر مقلد کے ساتھ اس کی بات ہو تو وہ اس موٴقف پر ان سے حدیث تحریر کرائے اور اگر کوئی پکا غیر مقلد مسئلہ سمجھنا چاہے تو اس کی مثال جلی روٹی کی طرح ہے اس کا ٹھیک ہونا مشکل ہے کہ اس کے دل میں علماء اور اہل اللہ کی تحقیر اور گستاخی آ چکی ہے اس لیے اس کے ساتھ بحث کرنے اور اس کو زبانی سمجھانے سے زیادہ موٴثر طریقہ یہ ہے کہ اس کو اپنی ایک مضبوط دلیل تحریر کر دیں اور ان کا موٴقف و عمل لکھ کر اس پر ان سے صحیح، صریح اور مرفوع حدیث کا مطالبہ کریں اور ساتھ نوٹ لکھ دیں۔

نوٹ: غیر مقلدین اہل السنّت والجماعت کی دلیل کا ضعف اور اپنی حدیث کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کریں گے کیونکہ ان کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے لہذا وہ امتیوں کے اقوال کی تقلید کر کے مشرک ہونے سے بچیں گے۔

7- غیر مقلدین کو گفتگو کے دوران اپنے مذکورہ بالا تین اصولوں کا پابند کیا جائے اور جہاں وہ کسی امتی کا قول پیش کریں یا قیاس ورائے چلائیں تو اس کو منع کر دیں کہ وہ اپنے اصول کے مطابق اس شرک وشیطنت سے باز رہیں۔ ان کو اپنے اصولوں سے ہرگز منحرف نہ ہونے دیا جائے۔ یعنی گفتگو میں صرف قرآن وحدیث پڑھتا جائے اور ترجمہ کرتا جائے نہ امتی کا قول پیش کرے نہ رائے اور نہ ہی اپنی رائے قرآن وحدیث میں شامل کرے۔ غیر مقلدین کی عادت ہے کہ وہ اپنی رائے کو بھی قرآن وحدیث کا عنوان دیتے ہیں ایسی صورت میں آپ ان کی رائے کاغذ پر لکھ کر ان سے مطالبہ کریں کہ وہ ایسی صریح آیت یا صحیح، صریح اور مرفوع حدیث پیش کریں جس کا ترجمہ وہی ہو جو انہوں نے کیا اور وہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے، اس میں بھی تمہاری اپنی یا کسی دوسرے امتی کی رائے شامل نہ ہو۔

مثال نمبر 1:

میں نے ایک غیر مقلد مولوی صاحب کو کہا کہ ”آپ حدیث کی تعریف کریں۔“ اس نے تعریف یوں کی کہ ”حدیث نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر (یعنی کسی دوسرے آدمی کے کام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاموش رہنا) کو کہتے ہیں۔“ میں نے ان سے کہا: ”آپ قرآن کی کوئی آیت یا حدیث پڑھیں جس کا ترجمہ یہی ہو۔“ وہ کہنے لگے: ”ایسی کوئی آیت یا حدیث نہیں!“ میں نے پوچھا: ”آپ نے تعریف کیسے کی؟“ وہ کہنے لگے: ”محدثین نے یہی تعریف کی ہے۔“ میں نے کہا: ”تعریف میں آپ نے محدثین کی تقلید کی ہے لہذا اب آپ وہ حدیث پڑھیں جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ فقہاء ومجتہدین کی تقلید شرک ہے، محدثین کی تقلید شرک نہیں!“ وہ کہنے لگا: ایسی کوئی حدیث نہیں۔“ میں نے کہا: ”اگر ایسی کوئی حدیث نہیں تو آپ نے یقیناً اس تعریف میں محدثین کی تقلید کی ہے اور چونکہ تقلید تمہارے نزدیک شرک ہے اس لیے آپ کو اس شرک سے توبہ بھی کرنی چاہیے اور تجدید نکاح بھی کر لینا چاہئے۔“

مثال نمبر 2:

ایک غیر مقلد مناظر سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سنت کی تعریف کریں!!! وہ صاحب کہنے لگے: ”سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔“ میں نے یہ الفاظ کاغذ پر لکھ لیے اور مناظر صاحب سے کہا کہ ”آپ کوئی قرآن کی ایک آیت یا حدیث پڑھیں جس میں صراحت ہو کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔“ وہ کہنے لگا: ”یہ بات قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔“

میں نے کہا: ''پھر تو یہ امتی کی رائے ہوئی اور تمہارے اصول کے مطابق دینی امور میں رائے کو شامل کرنا شیطان کا کام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سنت اور حدیث ایک چیز ہے تو تم سینکڑوں سنتوں کے تارک ہو، حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے پر بالغ آدمی کو اپنا دودھ پلایا (صحیح مسلم ج 1، ص 469) غیر مقلد مرد وزن سب اس دودھ پینے پلانے کی سنت سے محروم ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا (صحیح بخاری ص 35) لیکن غیر مقلد مرد وزن اس سنت کے تارک ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے بعد اپنی بیوی کے بوسے لیے پھر آ کر نماز پڑھائی (ترمذی ص 25) مگر غیر مقلد ائمہ اور ان کے مقتدی حضرات اس سنت سے غافل ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نواسی ''امامہ'' کو کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری ص 74) غیر مقلدین اپنی بچیوں کو مسجد میں لاتے ہیں نہ ان کو کندھوں پر اٹھا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ آپ لوگوں کو اپنی مردہ سنتوں کو زندہ کرنے کی توفیق دے۔'' وہ بوکھلا کر اور جھلا کر کہنے لگا: ''سنت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو کہتے ہیں۔'' میں نے کہا: ''آپ کوئی آیت پڑھیں یا حدیث سنائیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ سنت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو کہتے ہیں۔'' وہ کہنے لگا: ''ایسی آیت یا حدیث تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا: ''پھر تو یہ امتی کی رائے ہے، جو تمہارے ہاں معتبر نہیں! نیز مذکورہ بالا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو چار طریقے مذکور ہوئے ہیں، سب غیر مقلدین ان کے تارک ہیں۔'' وہ پریشان ہو کر کہنے لگا: ''سنت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طریقہ کو کہتے ہیں جو آپ کے ساتھ خاص نہ ہو۔'' میں نے کہا کہ ''آپ کوئی آیت یا حدیث پڑھیں جس کا ترجمہ یہی بنتا ہو۔ نیز مذکورہ بالا چار طریقوں سے متعلق چار حدیثیں سنائیں جن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان طریقوں کو اپنی خصوصیت فرمایا ہو۔ ورنہ آپ کو اپنی اور دوسرے امتیوں کی یہ رائے چھوڑ دینی چاہیے۔'' وہ کہنے لگا: ''سنت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طریقہ کو کہتے ہیں جس کو آپ نے خود کیا ہو اور امت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو۔'' میں نے کہا کہ ''آپ وہ آیت یا حدیث سنائیں جس میں سنت کی یہ تعریف کی گئی ہے جس کا ترجمہ یہی ہو۔ نیز آپ وہ حدیث سنائیں جس میں رکوع سے پہلے رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنے کا حکم ہو اور آپ نے نماز میں سر ننگا کرنے، فرضوں کی چھ رکعتوں میں آمین اونچی کہنے کا اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ کہنے کا، سینے پر ہاتھ باندھنے کا، ٹانگیں چوڑی

کرنے کا حکم دیا ہو۔'' وہ عاجز آ کر کہنے لگا: ''میں تحقیق کروں گا۔'' میں نے کہا: ''تحقیق کروں گا کا مطلب یہ ہے کہ اب تک آپ تقلید کرتے رہے اور چونکہ تقلید تمہارے نزدیک شرک ہے اس لیے آپ تحقیق بعد میں کریں پہلے اس شرک سے توبہ کر کے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کریں۔'' وہ کہنے لگا: ''آپ سنت کی تعریف کریں میں نے کہا: ''سنت اس جاری طریقہ کو کہتے ہیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خلفاء راشدین کی طرف سے جاری کیا گیا'' وہ کہنے لگا: ''آپ اس پر کوئی آیت یا حدیث پڑھیں جس میں یہ تعریف ہو۔'' میں نے کہا: ''تعریفات قرآن وحدیث میں نہیں ہوتیں یہ ماہرین فن کرتے ہیں سنت کی یہ تعریف فقہاء نے کی ہے جو ماہرین شریعت ہیں اور ہم نے اس کو تسلیم کیا ہے۔''

مثال نمبر 3:

ہمارے بعض نوجوانوں نے غیر مقلد علماء سے کہا کہ آپ کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھا قرآن میں دکھادیں یا صحاح ستہ کی صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث میں دکھادیں جس میں آپ نے صحابہ کرام کو یہ کلمہ سکھایا ہو اور امت کو اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا آپ حضرات اعلان کریں اور لکھ کر دیں کہ یہ کلمہ غلط ہے۔'' ایک علامہ صاحب فرمانے لگے: ''دراصل کلمہ طیبہ جھنڈے پر لکھنے کے لیے اور اشھد والا کلمہ پڑھنے کے لیے ہے۔'' ہمارے ایک سنی نوجوان نے غیر مقلد علامہ صاحب کی یہ بات کاغذ پر لکھی اور مطالبہ کیا کہ آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائیں جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہو اور اگر حدیث نہیں تو یہ تمہاری اپنی رائے ہے اور جب تم وحی کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کو نہیں مانتے تو ہم تمہاری رائے کیسے تسلیم کرلیں؟؟؟

مثال نمبر 4:

اتحاد اہل السنّت والجماعت کا ایک نواجون غیر مقلد شیخ الحدیث کے پاس گیا اور پوچھا کہ ''حضرت! رفع یدین کی کوئی صحیح حدیث ہے؟'' شیخ الحدیث صاحب نے کہا: ''بے شمار ہیں۔'' نوجوان نے کہا: ''جناب! مجھے ایک حدیث لکھ کردے دیں۔'' شیخ الحدیث صاحب نے کاغذ لیا اور حضرت ابن عمرؓ والی رفع یدین کی حدیث لکھ کر دے دی۔ نوجوان نے کہا: ''جی! وہ ترک رفع یدین والی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی تو موجود ہے؟'' شیخ الحدیث صاحب نے کرخت اور سخت آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا: ''وہ ضعیف ہے ضعیف!'' نوجوان نے سوال کیا: ''جناب! حضرت عبد اللہ عمرؓ کی حدیث کو صحیح اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو ضعیف اللہ نے کہا یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے؟ اگر اللہ نے فرمایا

ہے، تو فرمان خدا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنائیں؟ جس میں ان دونوں حدیثوں کے صحیح وضعیف ہونے کا فیصلہ ہے۔'' تو شیخ الحدیث صاحب کہنے لگے: ''حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں فرماتے بلکہ اس کا فیصلہ محدثین کرتے ہیں۔ محدثین جس حدیث کو صحیح لکھ دیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جس کو وہ ضعیف لکھ دیں ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔'' نوجوان نے کہا: ''شیخ الحدیث صاحب! آپ کے نزدیک تو وحی کے بغیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے بھی حجت نہیں تو اب امتیوں کی رائے کو حجت مان رہے ہو؟؟ نیز حدیث کو لینے اور چھوڑنے میں تم محدثین کی تقلید کر رہے ہو حالانکہ تقلید آپ کے نزدیک شرک ہے۔ لہذا آپ محدثین کی رائے کو حجت ماننے اور ان کی تقلید کرنے کی وجہ سے اہل حدیث نہ رہے بلکہ اہل رائے اور اہل شرک بن گئے۔''

مثال نمبر 5:

اتحاد اہل السنّت والجماعت کے ایک اور نوجوان نے ایک غیر مقلد مفتی سے پوچھا: ''جناب! یہ فرمائیے رفع یدین کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟ مفتی صاحب فرمانے لگے: ''رفع یدین کے بغیر نماز باطل ہے۔'' نوجوان نے کہا کہ ''اگر رفع یدین کے بغیر نماز باطل ہے تو پھر سب غیر مقلدین کی نماز باطل ہے۔'' مفتی صاحب نے کہا: ''وہ کیسے؟ نوجوان نے کہا: ''وہ ایسے کہ غیر مقلدین کے مایہ ناز علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب ''صفت الصلوۃ'' کے ص 121، ص 135 اور ص 136 پر لکھا ہے کہ سجدہ سے پہلے اور سجدہ کے بعد بھی رفع یدین ہے اور ص 121 کے حاشیہ میں ناصر الدین البانی صاحب نے لکھا کہ دس صحابہ کرامؓ سے رفع یدین عند السجود کی روایات ہیں اور چار رکعتوں میں آٹھ سجدے آتے ہیں اور ہر سجدہ سے پہلے اور بعد رفع یدین ہے تو آٹھ سجدوں کے رفع یدین سولہ بنتے ہیں۔ غیر مقلدین ان سولہ رفع یدین کے تارک ہیں اس لیے ان کی نماز باطل ہے۔'' غیر مقلد مفتی صاحب کہنے لگے: ''حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجود میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔'' نوجوان نے کہا: ''مفتی صاحب! مسئلہ تو بڑا الجھ گیا کیونکہ رفع یدین عند السجود کے بارے میں حدیثوں میں تضاد ہے ناصر الدین البانی کی تحقیق کے مطابق دس صحابہ کرامؓ سجدوں کی رفع یدین کا اثبات کرتے ہیں جبکہ بقول آپ کے حضرت ابن عمرؓ نفی کرتے ہیں اس کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ بتائیں، کیا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا: ''اصل بات یہ ہے کہ سجدوں میں پہلے رفع یدین ہوتا تھا پھر منسوخ ہو گیا۔'' نوجوان نے مفتی صاحب کی یہ بات کاغذ پر لکھ لی پھر سوال کیا کہ ''جناب مفتی صاحب! یہ فیصلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے یا آپ کا؟ یا کسی دوسرے امتی کا؟ اگر نبی علیہ السلام کا فیصلہ ہے تو وہ حدیث سناؤ! جس میں یہ فیصلہ نبوت مذکور ہے اور اگر آپ

موجود ہے لہٰذا کسی کے مباح گردانے سے کسی دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔

سجدہ سے سر اٹھانے کا بیان

رسول اکرم ﷺ تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھاتے۔[1] اور اس کا حکم آپ نے اس انسان کو دیا جس نے جلدی جلدی رکوع وسجود کر کے نماز ادا کر لی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کسی انسان کی نماز اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ ایسا سجدہ نہیں کرتا جس میں اسکے تمام اعضاء اپنی اصلی حالت میں نہیں آجاتے پھر وہ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے اور صحیح طور پر بیٹھ جائے۔[2]

اور اس مقام پر آپ ﷺ اللہ اکبر کے ساتھ کبھی کبھی رفع الیدین بھی کرتے تھے۔[3]

سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا: امام احمد اس مقام پر رفع الیدین کے قائل ہیں بلکہ وہ ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کے قائل ہیں چنانچہ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں ابن الاثرم امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے رفع الیدین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا جب بھی نمازی نیچے یا اوپر ہو دونوں صورتوں میں رفع الیدین ہے نیز اثرم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو دیکھا کہ وہ نماز میں اٹھتے بیٹھتے رفع الیدین کیا کرتے تھے۔[4]

شافعی علماء میں سے ابن المنذر اور ابو علی اسی کے قائل ہیں امام مالک، امام شافعی سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے جیسا کہ (طرح التثریب) میں ہے اور یہ رفع الیدین انس، ابن عمر، نافع، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین، اور ایوب سختیانی سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔[5]

دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت کا بیان

رسول اکرم ﷺ سجدہ سے سر اٹھا کر برابر بیٹھ جاتے اپنے بائیں پاؤں اور اس پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔[6]

چنانچہ آپ ﷺ نے اس بات کا حکم اس انسان کو دیا جس نے جلدی جلدی نماز ادا کر لی تھی آپ نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو سجدہ کے وقت اطمینان اختیار کر اور جب سجدے سے سر

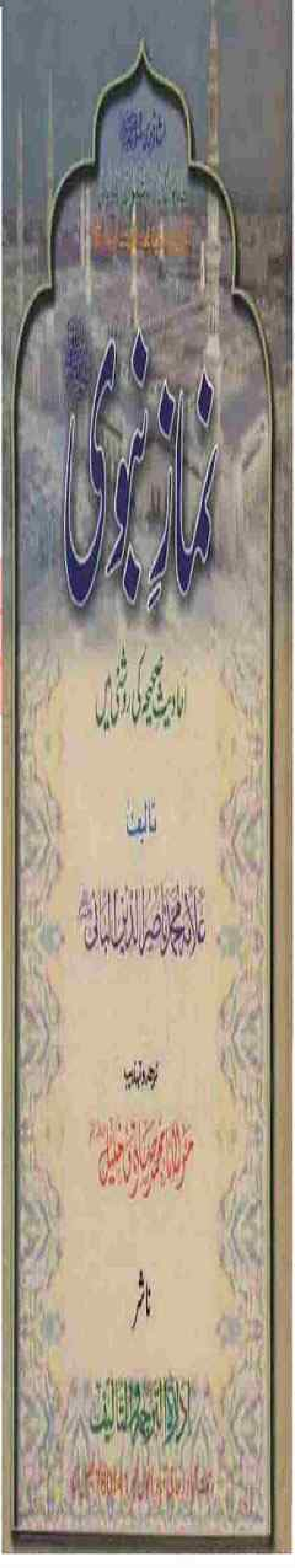

---

[1] صحیح بخاری ح ۷۸۹ کتاب الاذان باب ۱۱۷، صحیح مسلم ح ۲۸ کتاب الصلاۃ باب ۱۱ [2] صحیح ابوداؤد ۱/۱۶۱ کتاب الصلاۃ باب ۱۴۹، حاکم نے صحیح کہا ذہبی نے موافقت کی [3] مسند احمد ۳/۳۷، صحیح ابوداؤد ۱/۲۳۹ کتاب الصلاۃ باب ۱۱۷ سند صحیح ہے [4] البدائع لابن القیم ۴/۸۹ [5] مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۶ [6] بخاری فی جزء رفع الیدین، صحیح ابوداؤد ۱/۱۸۰ کتاب الصلاۃ باب ۱۸۱ سند صحیح ہے، صحیح مسلم ۲/۵۴، ابو عوانہ، الارواء ح ۳۱۶

سجدے سے اٹھنا

نبی ﷺ "اللہ اکبر" کہتے ہوئے سجدے سے اپنا سر اٹھاتے[1]، اور "مسئ صلوۃ" کو اس کے کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کسی شخص کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ سکون واطمینان سے سجدہ نہ کرے، پھر "اللہ اکبر" کہہ کر اپنا سر سجدے سے اٹھا کر ٹھیک طور سے بیٹھ

۱۔ احمد، سراج، بیہقی بسند صحیح۔

www.KitaboSunnat.com

۲۔ بخاری، مسلم

۳۔ "خمرۃ" اس چٹائی یا جائے نماز کو کہتے ہیں جو اس قدر چھوٹی ہوتی ہے کہ نمازی بحالت سجود صرف اپنا چہرہ اس پر رکھ سکے، اور وہ کھجور کی پتیوں یا دیگر قسم کی گھاس پھوس سے بنی جاتی ہے۔ نہایۃ ابن الأثیر۔

۴۔ مسلم، ابو عوانہ

۵۔ بخاری، مسلم۔ اصل حدیث میں "لُبس" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی "پہننے" کے ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ کسی چیز پر بیٹھنا بھی اس کے پہننے کے معنی میں آتا ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ ریشمی کپڑے پر بیٹھنا حرام ہے، کیونکہ صحیحین میں صرف اس کے پہننے ہی کی ممانعت نہیں بلکہ صراحت سے اس پر بیٹھنے کی ممانعت بھی آئی ہے، لہٰذا آپ کو بعض بڑوں کے اس پر بیٹھنے کو مباح قرار دینے کے دھوکے میں نہیں آنا چاہئے۔

۶۔ بخاری، مسلم

www.KitaboSunnat.com

نہ جائے[1]، اور آپ اس جگہ کبھی کبھار "اللہ اکبر" کہتے وقت رفع یدین بھی کرتے[2]۔ پھر آپ اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر اطمینان سے بیٹھ جاتے[3]۔ اور "مسئ صلوۃ" کو اس کے کرنے کا حکم بھی دیا، اور فرمایا کہ: تم جب سجدہ کرو تو دبا کر کرو اور جب اپنا سر سجدے سے اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ[4]۔ اور آپ اپنے دائیں پیر کو کھڑا رکھتے[5]، اور اسکی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے[6]۔

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی — ایک نادر — صورت

نبی ﷺ کبھی کبھار اقعاء کرتے یعنی اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کر کے اپنی ایڑیوں

۱۔ ابوداؤد، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

۲۔ احمد، ابوداؤد بسند صحیح۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس مقام پر اور اسی طرح نماز میں ہر اس مقام پر رفع یدین کے قائل ہیں جہاں "اللہ اکبر" کہا جائے، چنانچہ امام ابن قیم "البدائع ج ۳/۸۹" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: امام اثرم امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے رفع یدین کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ: نماز میں ہر حرکت پر رفع یدین کرنا چاہئے۔ امام اثرم فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو نماز کے اندر ہر حرکت پر رفع یدین کرتے دیکھا۔

علماء شافعیہ میں سے ابن المنذر اور ابو علی اسی کے قائل ہیں، اور اسی طرح کا ایک قول امام مالک اور شافعی سے بھی مروی ہے (طرح التثریب) اور اس مقام پر رفع یدین کرنا انس ابن مالک، ابن عمر، نافع، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین اور ایوب سختیانی رضی اللہ عنہم اور حمہم سے صحیح اسانید سے مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱۰۶) میں مروی ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

الاستفتاء ایک شخص سنن نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، مسند احمد، جزء رفع الیدین للبخاری، طبرانی، بیہقی، صحیح ابی عوانہ، ابویعلی، ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور تلخیص الحبیر کی احادیث کی بنا پر سجدے میں جاتے ہوئے اور بین السجدتین (پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے) احیاناً رفع الیدین کرتا ہے۔

۱: مانعین مصیب ہیں یا عامل؟ ۲: کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ۳: اگر صحیح ہے تو اس زمانے میں متروک العمل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں ہو چکی ہے؟ ۴: اگر مجروح ہے تو سنن نسائی کی وہ روایتوں (جو من طریق شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ مروی ہیں) ان پر کیا جرح ہے؟ مبہم جرح نہ ہو۔ اصل بنا انہی دو حدیثوں کو وہ شخص قرار دیتا ہے۔ باقی سب روایات ان ہی کی تائید میں ہیں۔ عام اس سے کہ صحاح سے یا ضعاف سے۔ ۵: رفع یدین منسوخ ہو چکی ہے؟ ۶: اگر منسوخ ہو چکی ہے تو حدیث ناسخ مع الاسناد تحریر فرماویں؟ ۷: اگر منسوخ نہیں ہوئی تو کون کون سے صحابہ اس پر عامل تھے؟ ۸: اور کون کون سے تابعین اس طرف گئے؟ ۹: کیا اس کے عامل کی اقتدا میں نماز درست ہو سکتی ہے؟ ۱۰: کیا اسکو مردہ سنت قرار دیا جا سکتا ہے؟ ۱۱: جو شخص اس کو زندہ کرے وہ من احیی سنتی الحدیث کا مصداق ہو سکتا ہے؟ ۱۲: جو شخص اس فعل سے ناراض ہو کر اس کی مخالفت کرے، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ کے ساتھ تشبیہ دے۔ اس کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا بالسنۃ والکتاب لا باقوال العلماء ذوی الانتساب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔ نوٹ، جواب از راہ کرم بالترتیب نمبروار مفصلاً مع حوالہ مکمل تحریر فرمائیں۔

المستفتی ابوحفص العثمانی الداجلی از ملتان۔ محلہ قدیرآباد جامع اہل حدیث ۲۱/۴/۶۴ء

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱: عامل رفع بین السجود پر جو دائماً یہ عمل رکھے مصیب نہیں ہے۔ کیونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت نہیں ہے۔ وکان لا یفعل ذلک فی السجود اس کا منفی ہونا ثابت کرتا ہے اور مطلقاً مانع جو ہو وہ بھی حق پر نہیں ہے۔

۲: حدیث ہذا صحیح ہے۔ متروک العمل نہیں ہے۔

۳: عامل بالسنۃ لوگ وقتاً فوقتاً جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

۴: جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ان دونوں احادیث میں سے کسی حدیث پر کوئی جرح نہیں ہے۔

۵: اس حدیث کا کوئی ناسخ اس وقت تک نظر نہیں آیا۔

۶: اوپر جواب آچکا ہے۔

۷: بعض صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور اسی طرح بعض تابعین نے بھی۔

۸: اوپر جواب آچکا ہے۔

۹: نماز ایسے امام کے پیچھے بلا نکیر جائز ہے۔

۱۰: مردہ سنت اسے کہتے ہیں جس کا کوئی عامل نہ ہو اور اس سنت پر عمل رہا ہو۔

۱۱: اوپر جواب آچکا ہے۔

نہ اس فعل پر ناراض ہونے والا غالی ہے۔ اور محب سنت نظر نہیں آتا۔

ہذا واللہ اعلم — محمد عبد التواب بقلم خود تاب اللہ علیہ (ملتان)

جواب سوال ۱: عامل رفع الیدین عند ارادۃ السجدۃ وبین السجدتین مصیب ہے۔ اور مانع مخطی لان المنع وقع علی الامر المشروع وکل منع وقع علی الامر المشروع فہو خطأ۔

جواب سوال ۲: بلاشک حدیث صحیح ہے۔ فتح الباری ملاحظہ ہو۔

جواب سوال ۳: یہ حدیث تغافل یا تساہل کی وجہ سے متروک العمل ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ ترک کی نہیں۔

جواب سوال ۴: اس حدیث میں سوائے تدلیس قتادہ کے اور کوئی جرح نہیں، لکن شعبہ کے قول سے یہ تدلیس مرتفع ہے۔ شعبہ کی عادت تھی کہ قتادہ سے مدلس حدیث کو روایت نہیں کرتا تھا۔

جواب سوال ۵: یہ رفعیدین منسوخ نہیں، بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرث مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی ہے جس سے نسخ ثابت ہو۔ احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن عمر کا اس رفع کو قبول کرنا بعد روایت منع رفع الیدین عند السجود اول دلیل ہے۔ کہ رفع بعد منع وارد ہوا ہے۔

جواب سوال ۶-۷-۸: اس رفعیدین کے عامل صحابہ کرام سے ابن عمر و ابن عباس اور تابعین سے طاؤس اور نافع اور عطاء مجھے معلوم ہیں۔ باقی صحابہ کی موافقت معلوم نہیں تو مخالفت بھی کہیں مروی نہیں۔ علاوہ بریں حدیث بنفسہٖ محتاجِ عمل عامل نہیں ہوتی۔ قال الشافعی فی الام فاذا کان للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا مخالف له عنه وکان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یوافقه لم یزده قوة وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستغن بنفسه وان کان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یخالفه لم التفت الی ما خالفه وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی ان یؤخذ به اھ

جواب سوال ۹: بلاشک اس رفعیدین کے عامل کے پیچھے اقتداء جائز ہے۔ اقتداء کو ناجائز کہنے والا جاہل اور اسرار شریعت سے محروم۔

جواب سوال ۱۰-۱۱: بلاشبہ اس کا عامل محی السنۃ المتیتۃ ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔ کما ورد فی الحدیث

جواب سوال ۱۲: جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس رفعیدین سے ناراض ہو اور اس کے عامل کو فرقہ

مبتدعہ رافضہ سے تشبیہ دے۔ باوجودیکہ اس کو یہ حدیث صحیح بھی معلوم ہے تو وہ شخص معاندِ حق ہے۔ وقد قال اللہ تعالٰی ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب

حررہ محب السنۃ ابو محمد عبد الحق الھاشمی المحمدی عفی عنہ من ریاست بہاولپور

الصحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد فعلہ مرۃ وترکہ اخریٰ فلا یقال انہ بدعۃ بل ھو سنۃ

العبد، فیض الکریم سندھی از یارو شاہ سندھ ضلع نواب شاہ

سوال: حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خصوص نوازل وواقعاتِ ہائلہ کے موقع پر نمازِ مغرب اور نمازِ فجر میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم وتروں میں دعاء قنوت اللھم اھدنی فیمن ہدیت الخ پڑھا کرو لیکن وتروں میں پڑھنے کا تو احادیث صحیحہ میں ثبوت نہیں۔ البتہ نمازِ فجر میں ضرور ہے اور مغرب میں لیکن نمازِ فجر میں دعاء قنوت کا ثبوت ہونے کی بابت مولانا ثناء اللہ صاحب کا فتوےٰ ہے۔ لیکن حال میں ایک مولوی صاحب نے اہلحدیث میں چھپوایا ہے کہ دعائے قنوت کا ثبوت نمازِ فجر میں صحیح حدیث سے نہیں بلکہ صرف مغرب میں ہے۔ لہٰذا مولانا ثناء اللہ صاحب سے خصوصاً اور مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی و مولوی حمد اللہ صاحب دہلوی و مولوی محمد صاحب دہلوی سے التجا ہے کہ وہ بذریعہ اہلحدیث اعلان کر دیں کہ آیا نمازِ فجر و مغرب میں دعاء قنوت کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے یا نہیں۔

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ جس کے نسخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور مصیبتِ عامہ کے وقت بعض صحابہ نے پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھی۔ حنفیہ کرام بھی مصیبت عامہ کے وقت قنوت پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس صحابی نے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ یہ بدعت ہے۔ ایسا کہنا یا تو اس کے عدم علم پر مبنی ہے یا انہی معنی میں ہے جن معنی میں حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو نعم البدعۃ ھذہ کہا تھا۔ یعنی ایسا مسنون فعل جو متروک ہونے کے بعد جاری ہو جائے۔

بہرحال اس عدم علم سے روایات مثبتہ غلط نہیں ہو سکتیں۔

کی اپنی رائے ہے تو آپ دینی مسئلہ میں رائے شامل کرنے کی وجہ سے شیطان بن گئے اور اگر کسی دوسرے امتی کی رائے ہے اور آپ اس کی تقلید کر رہے ہیں، جو صحیح نہیں۔ اس لیے کہ آپ کے ہاں انبیاء علیہم السلام کی رائے بغیر وحی کے معتبر نہیں۔ تو تمہاری رائے کا کیا اعتبار؟؟ آپ نے ان مثالوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ غیر مقلدین عمل کرتے ہیں اپنی رائے پر لیکن منافقین کی طرح دھوکہ دینے کے لیے نام لیتے ہیں قرآن وحدیث کا۔

-8 حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی ؒ فرمایا کرتے تھے: ”غیر مقلدین اتنے خدا سے نہیں ڈرتے جتنے ٹیپ ریکارڈر سے ڈرتے ہیں اس لیے جب کوئی اہم گفتگو ہو تو ٹیپ ریکارڈر لگا لیا کریں تا کہ غیر مقلدین ٹیپ کے ڈر سے جھوٹ، بدزبانی اور کہہ کر مکر نے کی عادت سے بچنے کی کوشش کریں۔

☆☆☆

دو ہاتھ سے مصافحہ

سوال: مصافحہ ایک ہاتھ سے سنت ہے یا دو ہاتھ سے؟

جواب: دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ج 2 ص 926 پر اس مسئلہ کے لیے دو باب قائم کیے ہیں باب المصافح اور باب الاخذ بالیدین۔ پہلے باب میں امام بخاریؒ نے صرف یہ بتایا ہے کہ مصافحہ سنت ہے اس لیے امام موصوفؒ نے چار دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔

1- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ”عَلَّمَنِیَ النَّبِیُّ ﷺ اَلتَّشَهُّدَ وَ كَفِّیْ بَیْنَ كَفَّیْهِ ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تشہد اس حالت میں سکھایا کہ میرا ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا (یعنی بحالت مصافحہ)

2- حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں حضرت طلحہؓ بن عبداللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔

3- حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا: ”کیا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مصافحہ کا رواج تھا؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: ”جی ہاں!“

4- عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ”ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا (یعنی یہ ہاتھ پکڑنا بطور مصافحہ کے تھا) پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مصافحہ سنت ہے۔

دوسرے باب میں امام بخاریؒ نے مصافحہ کا طریقہ بتایا ہے کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ کہ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے بھی جائیں نہ یہ کہ صرف ہاتھ ملا دیے جائیں کیونکہ مصافحہ کے وقت ہاتھوں کے پکڑنے میں اظہار محبت ہے بلکہ جس قدر محبت اور بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے مصافحہ میں اتنے ایک دوسرے کے ہاتھ زیادہ دبائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے امام بخاریؒ نے بطور ثبوت کے تبع تابعین کے عمل کو پیش کیا ہے۔ فرمایا: ”وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ اِبْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ ۔ یعنی حماد بن زید نے عبداللہ ابن مبارکؒ کے ساتھ دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔“ نیز عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد اس حالت میں سکھایا کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو

ہاتھوں کے درمیان تھا۔ پہلے اسی حدیث سے امام بخاریؒ نے مصافحہ ثابت کیا اور اب اسی حدیث سے دو ہاتھوں کے ساتھ پکڑنا ثابت کر رہے ہیں۔ سو امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ اس طور پر کیا جائے کہ ہاتھوں کو پکڑا جائے نہ یہ کہ ایک آدمی اپنے ہاتھ دوسرے آدمی کے ہاتھ پر رکھ دے اور صرف ملا دے بلکہ ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پکڑ لیں کہ اس میں اظہار محبت ہے اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہے۔

دراصل جیسے ہندو سماج سے متاثر ہو کر ہمارے بعض مسلمانوں نے ہندوانی رسموں کو اختیار کر رکھا ہے اور ان کو ''سنت'' کا نام دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جو اپنی محسن گورنمنٹ برطانیہ کے زیر احسان آگئے اور اپنی مادر مہربان ملکہ وکٹوریہ کے دودھ پر پلے، انہوں نے بھی اپنے آقا انگریزوں کی بعض عادات اختیار کر لیں۔ مثلاً: ننگے سر پھرنا، سر ننگا کر کے جوتی پہن کر عبادت کرنا اور انتہاء یہ کہ ان لوگوں نے انگریزی طریقہ کو سنت اور سنت نبویہ کو بدعت کہنا شروع کر دیا ہے۔

دھوکہ نمبر 1:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک ہاتھ ہے؟

جواب نمبر 1: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہاتھ تھے ہمیں سنت نبویہ اختیار کرنی چاہیے۔

جواب نمبر 2: جب دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تو درمیان میں ایک ہاتھ آتا ہے دوسرا باہر کی جانب رہتا ہے اس لیے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والا کہہ سکتا ہے میرا ہاتھ اس کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا، یہی کچھ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک ہاتھ تھا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہاتھ ہوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک ہاتھ؟ کیونکہ بڑے چھوٹے کے حوالے سے بھی اس صورت کو دیکھا جائے تو بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ بڑا آدمی دو ہاتھ سے مصافحہ کرے اور چھوٹا ایک ہاتھ سے اور یہاں تو امتی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ ہے!

جواب نمبر 3: اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت ابن مسعودؓ اپنے ایک ہاتھ کا ذکر فرما رہے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا بلکہ اس وجہ سے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے وقت آپ کا جو ہاتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا تھا آپ بطور اظہار مسرت کے اپنے اس ہاتھ کی خصوصیت بتا رہے ہیں کہ میرا یہ ہاتھ اتنا خوش نصیب ہے جو سردار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا ہے۔

دھوکہ نمبر 2:

مصافحہ کا معنی ہے ایک ہتھیلی کا دوسری ہتھیلی کے ساتھ ملنا۔ پس لفظ مصافحہ کا تقاضا یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ کے ساتھ ہو!

جواب: جب دو ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا جائے تب بھی آپس میں دو ہی ہتھیلیاں ملتی ہیں نہ کہ چار۔

دھوکہ نمبر 3:

بعض حدیثوں میں ''ید'' کا لفظ آیا ہے اور ''ید'' واحد ہے مطلب یہ کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا۔

جواب: قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے جہاں بہت سے علوم میں مہارت ضروری ہے وہاں عرب کے قدیم محاورات اور عربی الفاظ کے استعمالات پر بھی پورا پورا عبور ضروری ہے۔ ہر زبان میں واحد کا صیغہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔

1: بطور مفرد یعنی اس سے ایک فرد مراد ہے۔

2: بطور جنس اس وقت صیغہ واحد کا ہوتا ہے لیکن اس سے متعدد افراد مراد ہوتے ہیں جیسے ہم کہا کرتے ہیں مجھے انگور دے دو۔ مجھے فالسہ دے دو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ مجھے ایک انگور اور ایک فالسہ دے دو۔ میں نے تجھے اپنی آنکھ سے کھڑا دیکھا ہے۔ میں نے اپنے کان سے تیری بات سنی ہے۔ یہاں مفرد صیغہ جنس کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے دونوں آنکھیں اور دونوں کان مراد ہیں۔ اسی طرح عربی میں بھی واحد کا صیغہ بطور جنس استعمال ہوتا ہے جیسے ایک دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا۔ اے اللہ! میری آنکھوں میں نور پیدا فرما اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ۔ مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ. جو تم میں سے برائی کو دیکھے پس وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔'' یہاں صیغے واحد کے ہیں لیکن قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میری صرف ایک آنکھ اور صرف ایک کان میں نور پیدا فرما، مسلمان اس کے صرف ایک ہاتھ سے محفوظ رہیں، اپنے ایک ہاتھ سے برائی کو مٹائے۔ بلکہ واحد سے جنس والا معنیٰ مراد ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین جن حدیثوں سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت کرتے ہیں وہاں ''ید'' سے جنس والا معنی مراد ہے۔ حدیث پاک میں ہے مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں کیا صرف ایک ہاتھ کے گناہ جھاڑنے کی ضرورت ہے دوسرے ہاتھ کے گناہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں؟

صحیح بخاری کا انکار اور امام بخاریؒ پر اعتراض:

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا پر صحیح بخاری ج 2 ص 926 میں ''باب المصافحۃ'' قائم کر کے اس سے مصافحہ کا سنت ہونا ثابت کیا ہے لیکن غیر مقلد حکیم محمد اسرائیل سلفی و دیگر غیر مقلدین صحیح بخاری کے اس باب کے منکر ہیں۔ حکیم صاحب اپنے رسالہ ''التحفۃ الحسنی کے ص 39 پر لکھتے ہیں: ''اس حدیث کا مصافحہ سے ذرا بھی تعلق نہیں۔'' پنجابی میں کہاوت ہے آکھاں دھی نوں، سُناواں نُہہ نوں۔ حکیم صاحب نے روئے سخن حنفیوں کی طرف رکھ کر امام بخاریؒ کو خوب کوسا ہے اور کھری کھری سنائی ہیں، لکھتے ہیں: ''سخت تعجب ہے ان مقلدین احناف پر کہ جو احادیث صحیحہ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے اس کے انکاری ہیں اور جو حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اسے ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں اور بخاری شریف کی دُہائی دے کر جاہل عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ یہ حدیث دانی اور حدیث فہمی نہیں بلکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مذاق ہے۔''
(التحفۃ الحسنی ص 38)

اہل حدیث یا شیعہ؟

امام بخاریؒ نے خیر القرون کے دو عظیم محدث ''حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ'' کے دو ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کے عمل کو دلیل کے طور پر پیش کیا تو حکیم صاحب جو اس کا جواب دیتے ہیں وہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر، دل تھام کر، صحابہ کرامؓ کے ساتھ عظمت و محبت کے جذبات کو قابو میں رکھ کر سنیئے! لکھتے ہیں: ''جب صحابی کا قول ہی حجت نہیں تو تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کے اقوال کیونکر حجت ہو سکتے ہیں؟''

دو تبع تابعین کے عمل سے استدلال اس بات کا ثبوت ہے کہ امام بخاریؒ، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور تبع تابعینؒ کے اقوال و افعال اور ان کی آراء کو مانتے ہیں جبکہ غیر مقلدین ان کے منکر ہیں بلکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کو بھی حجت نہیں مانتے لہذا غیر مقلدین کا صحیح بخاری سے تعلق ہے نہ امام بخاری سے۔ ان کا راستہ ہی امام بخاری سے جدا ہے۔

تین سوال:

1- امام بخاریؒ فرماتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ سے مصافحہ ثابت ہے غیر مقلدین کہتے ہیں اس سے مصافحہ ثابت نہیں ہوتا ان میں سے کون صحیح اور کون غلط ہے؟

2- حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ دو ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے سے بدعتی ہوئے ہیں یا نہیں؟

3- امام بخاریؒ نے ان دونوں تبع تابعین کے فعلی اثر کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ کیا

امام بخاری ان دو امتیوں کے فعلی اثر کی تقلید کر کے مشرک ہوئے ہیں یا نہیں؟ اور جب تک صحیح بخاری میں یہ اثر اور اس جیسے دوسرے آثار صحابہ وغیرہ موجود ہیں ان کی وجہ سے امام بخاریؒ کو شرک کا گناہ ہو رہا ہے یا نہیں؟ جب صحیح بخاری میں ایسا شرک موجود ہے تو صحیح بخاری لکھ کر امام بخاریؒ نے نیکی کا کام کیا ہے یا گناہ کا؟

اگر غیر مقلدین حدیث صحیح، صریح، مرفوع اور متصل پیش کر دیں جس میں صراحت ہو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصافحہ کے وقت بائیں ہاتھ کو دور رکھنے کا حکم دیا ہو یا صراحت ہو کہ آپ نے دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور بائیں ہاتھ کو دور رکھا ساتھ نہ لگایا یا اسی صراحت کے ساتھ کسی صحابی یا تابعی کا اثر دکھا دیں اور اس کی صحت بھی امتیوں کی تقلید کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!!

☆☆☆

سے بچے اتر کر ادب سے دو اہل سواری پر چڑھا رہے تھے۔ (ترغیب و ترہیب)

ایک ہاتھ سے مصافحہ

سوال (۱۹۴) آپس کی ملاقات کے وقت مصافحہ صرف ایک ہی ہاتھ سے کرے یا دونوں ہاتھوں سے بھی کر سکتا ہے؟ (رسائل فوق الذکر)

جواب۔ (۱۹۴) دونوں ہاتھوں سے بھی کر سکتا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جواز پر باب منعقد کیا ہے

104790

بَابُ الْاَخْذِ بِالْيَدَيْنِ عدم جواز کی کوئی صریح دلیل نہیں۔

عورت کا ذبیحہ

سوال (۱۹۵) مولوی عبد القادر صاحب ہمارے علاقہ میں بخاری شریف کا ترجمہ سنایا کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ عورت کا ذبیحہ حلال اور درست ہے۔ منکرین نے اس مسئلہ کو زندہ کرنے کے لئے اپنی بیوی سے مرغ ذبح کروا کر کھایا اور کھلایا۔ اب اس علاقہ میں شور برپا ہے کہ حرام کھا لیا ہے۔ قرآن و حدیث میں مسئلہ ہٰذا کی کیا اصل ہے۔ (اردشن چرا نوالہ ضلع منٹگمری)

جواب۔ (۱۹۵) مسئلہ ہٰذا میں مولوی عبد القادر صاحب سلمہ ربہ اور ان کے ہم اعتقاد حق بجانب ہیں۔ صحیح بخاری میں بالتصریح موجود ہے کہ عورت کا ذبیحہ حلال و درست ہے۔ حرام کہنے والے سخت مجرم اور شریعت محمدیہ مطہرہ میں دست اندازی کرنے والے ہیں ان کو چاہئے کہ تائب ہوں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بایں الفاظ باب منعقد کر کے (بَابُ ذَبِيحَةِ الْمَرْأَةِ وَالْاَمَةِ) مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ حلال اور کھانے کا حکم فرمایا ہے۔ حنفی مذہب کے ٹھیکیدار مولانا عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۳۲ ج۱۰ میں رقمطراز ہیں اَیْ هٰذَا بَابٌ فِیْ بَیَانِ جَوَازِ ذَبِیْحَةِ الْمَرْاَةِ وَذَبِیْحَةِ الْاَمَةِ وَکَاَنَّهٗ اَشَارَ بِهٰذِهِ التَّرْجَمَةِ اِلٰی رَدِّ مَنْ مَّنَعَ هٰذَا نَقَلَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْحَکَمِ عَنْ مَالِكٍ کَرَاهَةً وَفِی الْمُدَوَّنَةِ جَوَازُهٗ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَآءِ الخ یعنی یہ باب ذبیحہ عورت حرہ ہو یا لونڈی کے جواز کے بیان میں ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا باب ہٰذا کے انعقاد سے عدم جواز ذبیحہ عورت کے قائلین مالک وغیرہ کا رد مقصود ہے۔ عہد نبوی میں ایک عورت مسلمہ نے ایک بکری پتھر سے ذبح کی سوال کرنے پر عدالت نبویہ سے اس کے کھانے کا حکم ہوا۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ دین میں افراط و تفریط نہ کریں۔ غلو سے اجتناب کریں۔ بجانب خود کسی شے کی حلت و حرمت کا قائل مفتری علی اللہ ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فقط۔

(مفتی ابو محمد عبد الستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار آمین)

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا

سوال: ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ننگے سر نماز کی چند صورتیں ہیں:

1- مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔

2- سستی کی وجہ سے کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے جس کی وجہ سے ثواب کم ہو جائے گا۔

3- ننگے سر نماز کو سنت سمجھے بغیر عادت بنالی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔

4- ننگے سر نماز کو سنت سمجھ کر اختیار کرنا بدعت ہے

5- ننگے سر نماز کو افضل و سنت سمجھنا اور نماز میں سر ڈھانپنے کو حقیر جاننا، کفر ہے۔ ملاحظہ کیجیے

(فتاوی عالمگیری ج1 ص106، درمختار ج1 ص474، ردالمختار ج1 ص482، فتاوی قاضی خان ج1 ص118)

قرآن کریم میں حکم ہے: ''خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. نماز کے وقت اپنا خوب صورت لباس اختیار کرو!'' چونکہ عمامہ اور ٹوپی بھی لباس میں شامل ہے لہذا اس آیت کے بموجب نماز میں عمامہ یا ٹوپی پہننا چاہیے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے'' بَابُ مَنْ كَانَ يَسْجُدُ عَلٰى كَوْرِ الْعَمَامَةِ وَلَا يَرٰى بِهِ بَأْسًا.'' ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس باب میں آٹھ حدیثیں درج ہیں دوسرا باب ہے۔ بَابُ مَنْ كَرِهَ السُّجُوْدَ عَلٰى كَوْرِ الْعَمَامَةِ ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ مکروہ ہے اس باب میں بارہ احادیث ہیں صرف ان دو بابوں کی بیس حدیثوں کو ہی دیکھ لیں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے۔

غیر مقلد علماء کی تحقیق:

1- جماعت اہل حدیث کے بانی شمس العلماء شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین فرماتے ہیں: ''جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے اس شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو۔ یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے۔ کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے۔''

(فتاویٰ نذیریہ؛ ج3 ص372)

2- مشہور غیر مقلد عالم مولانا سید داؤد غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی فرماتے ہیں: ''ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں بصراحت مذکور ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز با جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو، چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لیے اس بد رسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اگر سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسند عمل ہے۔''

(فتاوی علمائے حدیث؛ ج4 ص290)

3- شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں: ''صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔'' (فتاوی ثنائیہ؛ ج1 ص524)

4- شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب فرماتے ہیں: ''غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ محض بے عملی یا بدعملی یا کسل (سستی) کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ (اللہ کی پناہ)'' نیز فرماتے ہیں: ''کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلتِ عقل سے۔''

(فتاوی علماء حدیث؛ ج4 ص286 تا289)

5- شیخ الحدیث مولانا ابوسعید شرف الدین فرماتے ہیں: ''بحکم خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہنو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ (یعنی بدعت) ہے اور خلاف سنت ہے۔'' (فتاوی ثنائیہ؛ ج1 ص592)

6- غرباء اہل حدیث کے امام و مفتی مولانا عبدالستار صاحب فرماتے ہیں: ''ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ وافضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ باعث زیب وزینت ہے۔''

(فتاویٰ ستاریہ؛ ج3 ص59)

7- غیر مقلد عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی فرماتے ہیں: ''ننگے سر نماز ہو جاتی ہے مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بناء پر مستقل یہ عادت بنالینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جارہا ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔''

لکھا ہے، کہ نماز باعمامہ مستحب وافضل ہے، کسی نے عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب نہیں بتایا ہے، فتاوی تاتارخانیہ میں ہے۔ المستحب للرجل ان یصلی فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ اھ، رفع الالتباس عن مسائل اللباس میں ہے، شک نہیں کہ نماز باعمامہ کو بے عمامہ پر فضیلت ہے باعتبار وقار وسکینہ واتباع سنت کے، حدیث عبادہ میں فرمایا ہے، کہ علیکم بالعمائم فانہا سیماء الملائکۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، اور حدیث رکانہ میں فرمایا ہے فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم فوق القلانس رواہ الترمذی، باقی وہ حدیثیں جو مفید الواعظین وغیرہ کتابوں میں نماز باعمامہ کی فضیلت میں منقول ہیں، وہ سب موضوع ہیں، امام شوکانی وغیرہ نے اس کی تصریح کر دی ہے، خلاصہ یہ کہ نہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اور نہ نماز باعمامہ اور نماز بے عمامہ دونوں مساوی ہیں، بلکہ نماز باعمامہ کو نماز بے عمامہ پر فضیلت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جامع مسجد جو نماز جمعہ کی پڑھاوے، وہ عمامہ باندھے یا نہیں، اور اس کے پیچھے مقتدی دستار وعمامہ باندھیں یا نہیں، اور یہ دربار شاہی ہے، یعنی دربار شہنشاہ احکم الحاکمین کا ہے، پس از روئے احادیث کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ امام اور مقتدی دونوں کو عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے، اور عمامہ

لے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ستر کے قریب آدمی دیکھے جنہوں نے سر پر پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اور ان میں سے ایک ایک اس درجہ کا آدمی تھا، کہ اگر اس کو بیت المال پر امین بنایا جائے، تو امین ثابت ہو،

لے مرد کے لئے مستحب ہے، کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے، قمیص، تہبند، اور پگڑی،

لے پگڑی سر پر رکھا کرو، کیونکہ یہ فرشتوں کا لباس ہے (بیہقی)

لے مشرکوں کا اور ہمارا یہ فرق ہے، کہ ہم ٹوپی پر پگڑی بھی باندھتے ہیں،

باندھنا دربار شاہی کے منافی نہیں ہے، بلکہ اسی شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے، کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد یعنی تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو، یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو، اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے، کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس رواہ الترمذی وابوداؤد یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے، کہ ہمارے عماموں کے نیچے ٹوپیاں ہوتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ احمد اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ

شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

★

ناشر

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (۳۱:۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے ستر عورۃ (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے۔ اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر رضؓ نے نافع کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا، جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اگر تمہیں محلہ میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا، اس پر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا:۔ فاللہ احق ان یزین له ام الناس؟ قلت بل اللہ (ص۲۰ ج۱) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لئے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اس کے مستحق ہیں۔

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے۔ بند کرنا چاہیے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یاتون الاوہم کسالیٰ (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ (الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۹)

سوال:۔ امامت کا زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ اندھے اور لنگڑے کا امام بنانا درست ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ صحیح حدیثوں سے جواب دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ امامت کا سب سے زیادہ وہ شخص مستحق ہے جو کتاب و سنت کا زیادہ جاننے والا اور قرآن مجید کا اچھا پڑھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا، متقی پرہیزگار، خوش خلق، شریف اور زیادہ عمر والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (دارقطنی) یعنی اپنے بہترین آدمیوں کو امام بنایا کرو کیوں کہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان وکیل اور تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

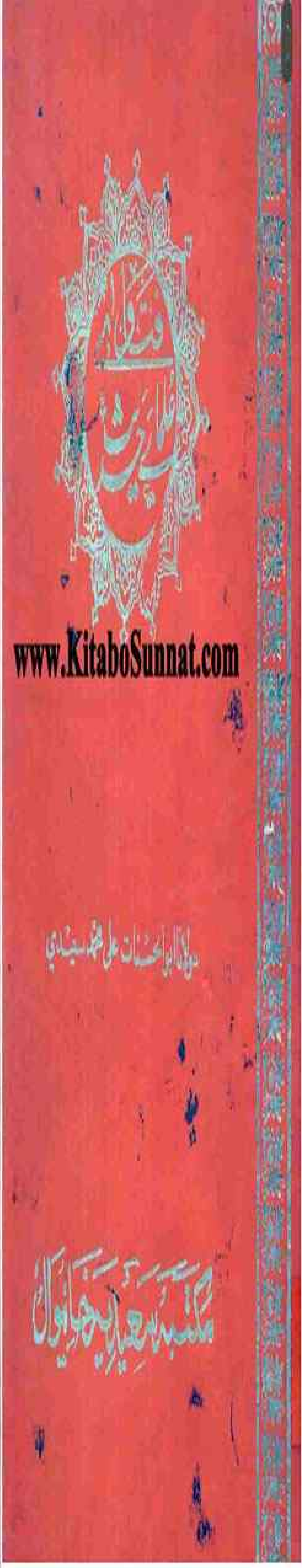

...: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے باب مقرر کیا ہے۔ باب
استحباب تحیۃ المسجد برکعتین وانہا مشروعۃ فی جمیع الاوقات۔ گو ایک
تہوا باب کا درمیان بندہ نے بطور اختصار حذف کر دیا ہے۔ جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔
اس باب میں ایک حدیث ہے جو بایں طور مروی ہے۔ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ
فَلْیَرْکَعْ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔ امام مسلم کا باب باندھنا۔ وَانَّہا الخ اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا فرمانا۔ اذا دخل الخ۔ یہ ہر دو قضیہ شرطیہ مطلقہ کے حکم میں ہیں اور وہ کسی وقت
منہی عنہ اور غیر منہی عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو قضیہ شرطیہ مطلقہ کا مفاد اور مآل ہے
اسی واسطے نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فیہ استحباب تحیۃ المسجد فی ای
وقت دخل وھو مذھبنا گو امام ابو حنیفہ صاحب وامام اوزاعی وغیرہ کا مذہب یہ
بھی ہے کہ اوقات منہی عنہ میں ان کا پڑھنا جائز نہیں۔ لیکن محدثین کرام تحیۃ المسجد کے
جواز کے ہر وقت قائل ہیں۔ (خادم اسلام عبد اللطیف از علیکا۔ حصار)

جواب: ہماری تحقیق میں یہ قضیہ عام نہیں ہے۔ عام مخصوص البعض ہے۔ اگر آپ کی تحقیق میں عام ہے تو آپ اسی پر عمل کریں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس مسلک میں ہم منفرد نہیں روضہ الندیہ نواب صاحب مرحوم اور سبل السلام شرح بلوغ المرام ملاحظہ فرما دیں۔

نوٹ: اذا قضیہ کلیہ کا سور نہیں مہملہ کا ہے۔ فافہم (۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء)

سوال: مسئلہ اگر نماز میں بے اختیار کر ہنسی آ جائے تو نماز میں نقصان ہوگا یا نہیں۔ اور اگر کوئی مصلی بااختیار نماز میں ہنسے یا قہقہہ کر کے ہنسے تو نماز میں خلل ہوگا یا نہیں؟

جواب: نماز ہنسی کا مقام نہیں۔ اس لئے ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ عند الحنفیہ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اللہ اعلم! (۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء)

سوال: ایک آدمی صاحب توفیق بغیر کپڑے پہنے نماز پڑھتا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اس کی قمیص یا کرتہ موجود ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوا ہے۔ یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا۔ پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ اقل درجہ یہ ہے کہ ستر عورت کا حصہ یعنی پیٹھ اور کندھوں کا ڈھکا ہو۔ یہ جواز کا درجہ ہے۔ مسنون طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اللہ اعلم! (۱۰ جنوری ۱۹۳۲ء)

فتاویٰ ثنائیہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری کے
۴۴ سالہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب کے ساتھ اس طرح مرتب کیا گیا ہے
کہ عبادات و معاملات کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا

تحشیہ و حواشی شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی

جلد اول

مرتبہ

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب راز

ناشر

ادارہ ترجمان السنہ ۷ ایبک روڈ لاہور

فتاویٰ علمائے حدیث

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

سوال: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اُتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا، اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو، اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔ ۲۔ ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہلحدیث ڈیرہ غازیخاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: وباللہ التوفیق، متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے ۲۔ افضلیت یعنی آں حضرت اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے ۳۔ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے۔ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (رواہ الخمسۃ الا النسائی) بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: والحق وجوب ستر العورۃ فی جمیع الاوقات الا وقت قضاء الحاجۃ وافضاء الرجل الی اھلہ اھ (نیل الاوطار ص۶۲ ج۲)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے العورۃ القبل والدبر (نیل الاوطار ص۶۲ ج۲)

غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔ امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل و فہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔

کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً باجماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں، باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وقول اللہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد ومن صلی ملتحفا فی ثوب واحد ویذکر عن سلمۃ بن الاکوع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یزرہ ولو بشوکۃ فی اسنادہ نظر الخ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ص۳۱۸ جلد ا) امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز کی جائے، تو سر ننگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے۔ اولکلکم ثوبان (ابوداؤد ص۲۲۰) طلق کی روایت میں ہے۔ اوکلکم یجد ثوبین (ابوداؤد مع عون ص۲۳۱) کیا سب کو دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسئل عن الصلوٰۃ فی الثوب الواحد فقال اوکلکم یجد ثوبین ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع اللہ فاوسعوا جمع رجل علیہ ثیابہ صلی رجل فی ازار ورداء فی ازار وقمیص فی ازار وقباء فی سراویل ورداء فی سراویل وقمیص فی سراویل وقباء فی تبان وقباء فی تبان وقمیص قال واحسبہ فی تبان ورداء (صحیح بخاری ص۲۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمر کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحتہً سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو

تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابن منیر فرماتے ہیں۔ الصحیح انہ کلام فی معنی الشرط کانہ قال ان جمع رجل علیہ ثیابہ فحسن اھ (فتح ص ۳۲۲) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی ھذا الحدیث دلیل علی وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب لما فیہ من ان الاقتصار علی الثوب الواحد کان لضیق الحال وفیہ ان الصلوٰۃ فی الثوبین افضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض بنفی الخلاف فی ذالک اھ (فتح الباری ص ۳۲۲)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستطیع کے لیئے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بدعملی یا کسل کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں۔ اذا صلی احدکم فلیاتزر ولیرتد اھ (سنن کبریٰ ص ۲۳۵) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے تھے اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ عزوجل احق ان یزین لہ الخ (سنن کبریٰ) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسبت ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبداللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا، دو ہی موجود ہیں آپ نے فرمایا ارئیت لو بعثتک الی بعض اھل المدینۃ اکنت تذھب فی ثوب واحد قلت لا قال فاللہ احق ان یتجمل لہ؟ الخ (ص ۲۳۶ بیہقی سنن) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زینتکم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے۔ جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبداللہ بن محمد الزھری ثنا سفیان بن عیینۃ قال رأیت شریکا صلی بنا فی جنازۃ العصر فوضع قلنسوتہ بین

یدیہ یعنی فی فریضۃ (ابوداؤد ص۲ موھون) یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اھ اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے۔ نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں، یہ شریک کون بزرگ ہیں شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔ ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابلِ حجت نہیں۔ سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الخطاذا لم یجد عصًا میں ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔ حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی فی فضیلۃ وھو ان یصلی فی ثوبین او اکثر فان اذا بلغ فی الستر یروی عن عمرؓ انہ قال اذا وسع اللہ فاوسعوا اھ رص۔ مغنی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیئے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان احسن والاربع اکمل قمص وسراویل وعمامۃ وازار اھ (ابن قدامہ ص۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہوگی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔ ان تمام گذارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔

آنحضرت کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے۔ اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام

یہی استفتاء مولانا سید داؤد غزنوی سے بھی کیا گیا تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے جواب موصول ہونے کے بعد انہوں نے مختصر جواب جو لکھا ہے وہ بھی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (الاعتصام)

اقول وباللہ التوفیق ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت الامام مولانا عبدالجبار الغزنوی نور اللہ مرقدہ سے کہا تھا۔ انہوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضاء ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضاء ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری میں ہے۔ لایصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شیئ۔ یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ موطاء اور فتح الباری دیکھ لو۔ موطا میں امام مالک فرماتے ہیں۔ قال مالک احب الی ان یجعل الذی یصلی فی القمیص الواحد علی عاتقیہ ثوبا او عمامۃ
قال الزرقانی بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لایصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شیئ۔ کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا ڈالے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے۔ اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ فتوی اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کپڑا نہ ہو۔

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس اصطلاح سے واقف ہیں جب کسی مسئلہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں " احب الی " (میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے) اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح حافظ ابن عبدالبر اور دیگر شارحین موطا نے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث " لیس علی عاتقہ شیئ " کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ لیحصل الستر لجزء من اعالی البدن وان کان لیس بعورۃ یعنی کندھوں کو کپڑے سے ڈھانکنے کا حکم اس لیے آپ نے دیا تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت یعنی اعضاء ستر میں سے نہیں ہے۔ زرقانی نے امام مالک کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے۔ جو سائل کے سوال کے جواب کے لیے کافی واضح ہے۔ فرماتے ہیں:۔ قال مالک فی المبسوط لیس من امر الناس ان یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعۃ فکیف بالمسجد وقال تعالی خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ص۲۸۸ ج۱)
یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختیارات میں فرماتے ہیں:۔

واللہ تعالیٰ امر بقدر زائد علی ستر العورۃ فی الصلوۃ وھو اخذ الزینۃ فقال

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ﷺ) یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لئے ستر عورۃ (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے۔ اور وہ ہے اچھا لباس پہننا فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر رض نے نافع کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا، جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رض نے فرمایا اگر تمہیں محلہ میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمر رض نے فرمایا:۔ فالله احق ان يزين له ام الناس؟ قلت بل الله (ص ۳۳ ج ۱) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لئے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اس کے مستحق ہیں۔

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لئے اس بد رسم کو جو پھیل رہی ہے۔ بند کرنا چاہیے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہو گی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہو گا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خصلت سے تشابہ ہو گا۔ ولا يأتون الا وهم كسالیٰ (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ (الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸)

سوال: امامت کا زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ اندھے اور لنگڑے کا امام بنانا درست ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ صحیح حدیثوں سے جواب دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

جواب: امامت کا سب سے زیادہ وہ شخص مستحق ہے جو کتاب و سنت کا زیادہ جاننے والا اور قرآن مجید کا اچھا پڑھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا، متقی پرہیزگار، خوش خلق، شریف اور زیادہ عمر والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اجعلوا ائمتكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم (دار قطنی) یعنی اپنے بہترین آدمیوں کو امام بنایا کرو کیونکہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان وکیل اور تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

تشریح: صلوۃ التسبیح کی حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ اور طبرانی و صحیح ابن خزیمہ و مستدرک حاکم میں مختلف طرق و الفاظ سے مروی ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بعض محدثین نے بھی اس کی تصحیح کی ہے جس کی تفصیل الترغیب و الترہیب منذری میں ہے لکھا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے پس عدم صحت کا حکم ثابت نہیں۔ اختلاف چیزے دیگر است، تحقیق چیزے دیگر۔ اور خطبہ جمعہ کے وقت صرف دو سنتوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ زائد کا نہیں وہ بھی تخفیف کے ساتھ۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: اہل حدیث کے کسی پرچہ میں میں نے دیکھا ہے کہ برہنہ سر نماز پڑھنے کے جواز میں کوئی حدیث ہے براہ کرم اس حدیث کو نقل فرمائیں کہ کس کتاب میں ہے اس کا حوالہ بھی لکھ دیا جائے تو منت ہے۔

جواب: قال ابو هريرة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى فى ثوب واحد فليخالف بين طرفيه بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے ستر عورت ڈھانپ کر باقی ادھر ادھر کاندھوں پر ڈال لے اس حکم میں سر ڈھانپنے کا ذکر نہیں لہذا ثابت ہوا کہ سر ننگے نماز جائز ہے۔ اللہ اعلم (۱۰ صفر ۱۳۵۲ھ)

تشریح: ستر سر مرد کو واجب نہ سہی مگر بحکم خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ الآیۃ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ ہے اور خلاف سنت گاہے چنیں کا حکم اور ہے شعار کا اور پس اول جائز ثانی ایجاد ۔ ۱۲ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: موذن کا اذان دیتے وقت کان میں شہادت کی انگلیاں دے کر ہاتھوں کو خوب ہلانا اور سامنے کو لفظ اشهد ان محمد ا رسول الله کے سنتے وقت ہر دو ہاتھوں کی انگلیوں کو جوڑ کر آنکھوں سے بوسہ لینا جائز ہے۔

جواب: موذن کا کانوں میں انگلیاں رکھنا تو ثابت ہے سننے والے کا انگوٹھوں کو چومنا ثابت نہیں اس لئے یہ بدعت قابل ترک ہے (۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ)

سوال: مغرب کی نماز کا وقت بعد غروب آفتاب کب تک ہے یعنی بلا قضا

صدر الدین بردوان

شرعاً جائز نہیں۔

فتوی بابت متفرق مسائل

سوال (۳۹۳) (۱) خصوصاً جمعرات کو قبروں پر جاکر یٰسین پڑھ کر مردوں کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) عقیقہ میں اگر نو ماہ کا دنبہ یا بکرا ذبح کیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں۔ (۳) زکوٰۃ کا مہینہ کونسا ہے (۴) اگر کوئی شخص ہندوستان میں ہو اور عورت پاکستان میں آگئی ہے اور مرد ادھر آ نہیں سکتا تو عورت کا نکاح کر دیا جائے (۵) ننگے سر نماز پڑھنے کی کیا دلیل ہے؟ چوہدری فیض اللہ ضلع سیالکوٹ

جواب (۳۹۳) (۱) قبروں پر جاکر یٰسین پڑھنا شرعاً درست نہیں ہے۔ سلف صالحین سے یہ طریقہ ثابت نہیں۔ حالت نزع جاں کنی کے وقت یٰسین پڑھنی چاہیے۔ (۲) اگر جانور فربہ ہے تو عقیقہ ہو جائے گا (۳) زکوٰۃ کا مہینہ مخصوص نہیں ہے، جب اور جس مہینہ میں سال پورا ہو جائے اسی مہینہ میں زکوٰۃ دیدینی چاہیے۔ (۴) شخص مذکور سے بذریعہ خط و کتابت طلاق لیکر نکاح ثانی کر دیا جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی آمد کی کوئی سبیل نہ ہو۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ

440/

مَسْجِدٍ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ٹوپی یا عمامہ و صاف جوتی کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ و افضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ و صاف جوتی باعث زیب و زینت ہیں۔ اور نمازی کو اچھی ہیئت میں کھڑا ہونا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص بلا عذر ننگے سر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اور کوئی مضائقہ نہیں نہ اُس پر کوئی عقاب و وعید ہے کیونکہ مردوں کے لئے نماز میں سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ (مسلم)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

(فتاویٰ علماء حدیث؛ ج4 ص 281)

8- غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی فرماتے ہیں: ''یہ کہنا کہ سرڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اس سے راقم الحروف کو اختلاف ہے احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سر پر عمامہ باندھے رہتے یا سر پر ٹوپیاں رکھتے تھے اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آ کر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی ...... ہم نے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو دیکھا وہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں یہ آج کل نئی نسل خصوصاً اہلحدیث جماعت کے افراد نے معمول بنا رکھا ہے اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے، مسنون نہیں۔''

(الاعتصام لاہور ج45 شمارہ 30,27 جولائی 1993ء)

9- غیر مقلدین کے مشہور عالم مورخ اسلام مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب فرماتے ہیں: ''مشاہیر علمائے حدیث ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب قرار دیتے تھے لیکن نئے دور کے اہلحدیث علماء ننگے سر نماز پڑھنے کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں۔''

(ماہنامہ ''الرشید'' لاہور)

نوٹ: اگر غیر مقلدین صحیح حدیث میں دکھا دیں کہ پوری زندگی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا کسی صحابی نے کپڑا ہونے کے باوجود بغیر مجبوری کے مسجد میں فرض نماز ننگے سر پڑھی ہے اور اس حدیث کو امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر صحیح ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ دیدہ باید!!!

☆☆☆

ایک رکعت پڑھ کر التحیات میں بیٹھ گیا کیا وہ دوسری رکعت میں تشہد کرے یا نہ کرے کیا اس پر سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہ؟ سائل عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھبہ ضلع ملتان

الجواب: دوسری رکعت میں تشہد اور سجدہ سہو کرے لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ الحدیث مسند ابوداؤد وابن ماجہ۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی) (منقول از قلمی مسودہ)

مولانا عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھبہ ضلع ملتان

سوال: کیا نماز فرض کے بعد تسبیح تہلیل، تمجید یا کوئی اور وظیفہ پڑھ کر بدن پر پھونکنا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے مگر مسنون نہیں بعض اکابر سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۴۲

توضیح المرام: حدیث حضرت عائشہؓ میں آیا ہے کہ حضرت ہر رات جب بستر پر آتے ہر دو کف دست جمع کر کے معوذات کو مع اخلاص پڑھ کر دم کرتے پھر جہاں تک ہو سکتا بدن پر ہاتھ پھیرتے سر اور منہ سے شروع کرتے تین بار اسی طرح کرتے۔ (متفق علیہ) اسی طرح جب بیمار ہوتے تو معوذات کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے ابن ماجہ شریف ۲۶۰ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وظیفہ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم پھونکنا مسنون ہے اگرچہ نماز فرض کا ذکر نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال: پتلون پہننا جائز ہے۔ یا نہیں، جناب پیغمبر علیہ السلام نے کس طرح کے کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟

جواب: پتلون جائز ہے مرد کے لئے ناف سے گھٹنا تک مقام ستر مقرر کیا ہے۔ اور اسے ڈھانپنا فرض ہے۔ لباس کے پہناوے کا حضور علیہ السلام نے کوئی خاص آرڈر نہیں دیا، جناب نرم، نازک یا فیشنی اور کفار کے مخصوص لباس سے پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۱۹

سوال: ننگے سر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے جواز ملتا ہے۔ مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالآباد کے لئے یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۲۲

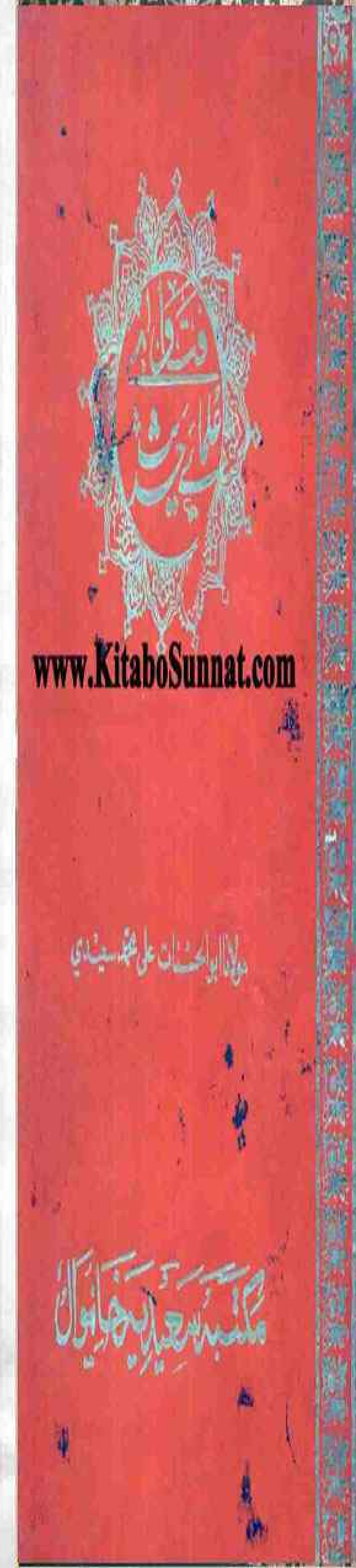

۱۔ امام احمد اپنے سر اور داڑھی کو تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں بھی مہندی لگاتے تھے۔
دیکھئے حلیۃ الاولیاء (ج۹ص۱۶۲ وسندہ صحیح) ومناقب احمد (ص۲۰۸ وسندہ صحیح)

۲۔ نوح بن حبیب رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۲ھ) فرماتے ہیں:

''میں نے ۱۹۸ (ہجری) میں دیکھا (امام) ابو عبداللہ احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) مسجد خیف (منیٰ، مکہ) میں، ایک ستون سے ٹیک لگائے اصحاب الحدیث کو فقہ اور حدیث کا درس دے رہے تھے۔ آپ حج کے مسائل میں فتوٰی بھی دیتے تھے۔''

(حلیۃ الاولیاء ج۹ص۱۶۴ وسندہ صحیح)

۳۔ صالح بن احمد بیان کرتے ہیں:

''میرے ابا کی ایک ٹوپی تھی جسے انھوں نے اپنے ہاتھ سے سیا تھا، اس (ٹوپی) میں رُوئی تھی۔ جب آپ رات کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اسے پہن لیتے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ آپ کثرت سے سورۂ کہف کی تلاوت فرماتے تھے۔'' (مناقب احمد ص ۲۸۷ وسندہ صحیح)

۴۔ امام احمد ہر جمعے کو تلاوتِ قرآن مکمل کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ دعا کرتے اور آپ کے بچے وغیرہ آمین کہتے تھے۔ (دیکھئے مناقب احمد ص ۳۶۹ وسندہ صحیح)

وفات حسرت آیات

۱۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

''فما سمع أبي یئن في مرضہ ذلك إلی أن توفي رحمہ اللّٰہ'' میرے ابا کی بیماری میں اُن کی وفات تک کسی نے بھی کراہنے اور آہ بھرنے کی آواز نہیں سُنی۔

(حلیۃ الاولیاء ج۹ص۱۸۳ وسندہ صحیح، مناقب الامام احمد ص ۴۰۸)

۲۔ ابو النضر اسماعیل بن عبداللہ بن میمون بن عبدالحمید العجلی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: میں ابو عبداللہ (احمد بن حنبل) کے پاس آپ کے آخری زمانے میں ملاقات کے لئے آیا۔ آپ باہر نکل کر دہلیز پر بیٹھ گئے تو میں نے پوچھا: اے ابو عبداللہ! آپ بعض فقہی مسائل میں توقف کرتے تھے، کیا اب آپ نے ان میں کوئی موقف اختیار کر لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابو النضر یہ (دنیا سے) روانگی کا وقت ہے، یہ عمل کا زمانہ ہے۔''

آپ اس قسم کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ہم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

(مناقب الامام احمد ص ۲۸۸ وسندہ حسن)

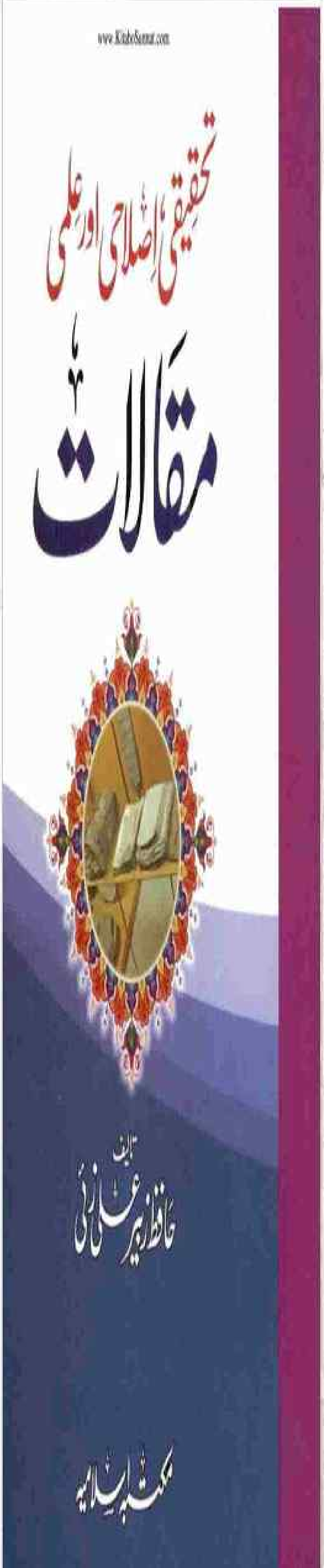

(۱۷) افصح التبیان واوضح البرھان

(۱۸) ملاحظات برکتات مقام مصطفیٰ

۱۶: آپ کے چند فقہی مسائل اور اجتہادات درج ذیل ہیں:

آپ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے قائل تھے اس موضوع پر آپ نے کافی رسالے اور کتابیں لکھی ہیں۔ آپ تشہد اول میں درود ابراہیمی پڑھنے کے قائل تھے۔ آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے، آپ کی یہ تحقیق تھی کہ ہمیشہ بیٹھ کر ہی جوتے پہننے چاہئیں، ہمارے شیخ حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حافظ صاحب پاکستان کے کبار علماء میں سے ہیں۔ محب اللہ شاہ صاحب فرض نماز کے بعد کبھی کبھار، التزام ولزوم کے بغیر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کے بھی قائل تھے ، اس مسئلہ پر آپ کا ایک رسالہ مطبوع ہے۔

میری تحقیق میں رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا راجح اور ہاتھ باندھنا جائز ہے، تشہد اول میں درود پڑھنا مستحب وافضل ہے۔ نماز سر ڈھانپ کر پڑھنا افضل ہے۔ چاہے کھڑے ہو کر جوتے پہنیں یا بیٹھ کر، دونوں طرح جائز ہے، فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا صریح ثبوت نہیں ہے، اگر التزام ولزوم نہ ہو تو بعض اوقات یہ دعا جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ انفرادی اور مسنون دعا مانگی جائے۔

۱۷: اگر مجھے رکن ومقام کے درمیان کھڑا کرکے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا محب اللہ شاہ سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل، اور شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم وفقیہ انسان کوئی نہیں دیکھا رحمہما اللہ۔ آپ ۹ شعبان ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ، وکان ثقۃ إماماً متقناً ، صاحب سنۃ والورع ، ما رأیت مثلہ ،

(۲۳-اپریل ۲۰۰۳ء)

علیه عمامة سوداء قد ارخی طرفها بین کتفیه

عمرو بن حریث کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا' آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور آپ ؐ کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔ آپ نے اس کے شملہ کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔

(مسلم ۱۳۵۹' ابن ماجہ ۳۵۸۴' ابوداود ۴۰۷۷' شمائل ترمذی ۹۳)

مذکورۃ الصدر احادیث سے معلوم ہوا کہ سیاہ عمامہ باندھنا سنت نبوی ﷺ ہے۔ رہا سبز عمامہ تو اس کا کسی صحیح حدیث میں ذکر نہیں۔ اسی طرح سرخ اور سفید رنگ کی پگڑی کا ذکر بھی ہمیں کسی صحیح حدیث سے نہیں ملا۔

گیروی پگڑی سبز کیسے بنی؟

۱۱ اپریل ۱۹۹۶ء کو موچی دروازہ میں "اسم اعظم کانفرنس" کے نام سے منعقد ہونے والے پیر ریاض احمد گوہر شاہی کے جلسہ میں ہم نے پیر گوہر کے مریدوں کو اس فرقہ "دعوت اسلامی" کے امیر پیر الیاس قادری کے خلاف باتیں کرتے پایا۔ ہم بھی رک گئے۔ ہم نے دیکھا کہ پیر گوہر کے اکثر مرید دعوت اسلامی کے افراد اور اسکے امیر پیر الیاس قادری کے متعلق لوگوں کو طرح طرح کی باتیں بتا رہے ہیں۔ ایک مرید جو پیر گوہر کے قصبہ کوٹری سندھ کا رہنے والا تھا۔ لوگوں کو بتا رہا تھا: دعوت اسلامی والے چونکہ اپنے آپ کو "کتے" کہلاتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے ہمارے قبلہ شاہ صاحب (پیر گوہر) نے کہا ہے:۔

ہو گئے بندے منسلک کتوں سے ہوا شیطان کو بھی خطرہ
نفرت ہے اسے کتوں کی بو سے اسکے امتحان کو بھی خطرہ

(تریاق قلب: ۶۸ تصنیف پیر گوہر)

المنفرد او عكسه لوجه شرعى ثم تكرار النية بالقلب القراة من مصحف
ولو حمله باليد او اليدين او قلب ورقه وكذلك من جدار منقوش
عليه وكذلك الفتح من المصحف وحمل الطفل الصغير ووضعه عند
الركوع والسجود والقيام والركوع على المنبر والنزول قهقرى للسجدة
والمشى لفتح الباب اذا لم يكن نحو البيت من يفتحه وقتل الحية والعقرب
بضربة او ضربتين فصاعدا او المشى واخذ العصا ونحوه لاجله ورفع
اليدين فى غير ما ورد فيه الرفع ووطئ نجاسة لا يقدر على اتقائها من
غير ان ينجس سائر بدنه والصلوة على نجس لم يظهر عليه لونه وريحه
وبلته وتحويل الوجه فقط ووضعه على ظهر الدابة او السرير او الكرسى
او العجلة او رفعه عن محله مع بقاء الاستقبال والرمى بحجر كان
عنده او حمله من الارض وحمل المبزقة بيد واحد والبصاق فيه
والتفكر لامور الدين او الدنيا وعروض الوساوس وحمل الساعة او
القلنسوة او النظارة من غير عمل كثير وكره عبثه بثوبه وبدنه
وتقليب الحصى الا للسجود مرة وفرقعة الاصابع وتشبيكها والتخصر
والالتفات بتحويل الوجه والحك من غير ضرورة والصلوة فى ثياب
بذلة ان وجد غيرها وكون العاتق مكشوفا ما عليه شئ وقيل
انه مفسد واخذ درهم ونحوه فى فيه من غير منعه للقراءة وصلوته
حاسرا راسه من كسل وافتراش الذراعين فى السجود وصلوته الى
وجه انسان او مراة يرى وجهه فيه لا خلف ظهر الرجل والمراة و

كنز الحقائق من فقه خير الخلائق

نے کہا: اسماعیل! تم بہت عرصے سے ہمارے ساتھ ہو، ہم نے تم کو دیانت دار، محنتی اور امین پایا ہے۔ لہٰذا ہم نے آج سے تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر لیا ہے اور تمہارا ایک خاص حصّہ مقرر کر دیا ہے۔ اپنے حصّے کی رقم تم نقد ادا نہیں کرو گے، بلکہ تمہارے حصّے کے منافع سے وضع ہوتی رہے گی۔ اس کے بعد چند مہینوں میں وہ اس درجہ امیر ہو گیا کہ اسماعیل سے کاکا اسماعیل بن گیا۔ کاکا مدراس کی زبان میں سیٹھ کو کہتے ہیں۔

کاکا اسماعیل نہایت نیک آدمی تھے۔ اُنہوں نے صُوبہ مدراس کے ضلع ارکاٹ میں کئی ایکڑ زمین خریدی، اس کو آباد کیا اور اس کا نام محمد آباد رکھا۔ وہاں ایک بہت بڑا اسلامی دار العلوم قائم کیا جو اب تک کامیابی سے چل رہا ہے اور ہندوستان کے مشہور اسلامی مدارس میں سے ہے۔ مولانا نے بتایا کہ اس دار العلوم کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں مجھے باقاعدہ دعوتِ شرکت دی جاتی تھی۔ میں جاتا تو کاکا اسماعیل اور ان کے خاندان کے لوگ انتہائی احترام سے پیش آتے اور یہ واقعہ ضرور بیان کرتے۔

ننگے سر نماز

ننگے سر نماز پڑھنا مولانا کو ناگوار گزرتا تھا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ مسجد چینیاں والی میں بیٹھے تھے کہ ملک محمد رفیق جو اُن کے پُرانے عقیدت مند اور حلقۂ مسجد چینیاں والی کے رہنے والے تھے، ان کی موجودگی میں مسجد میں آئے اور ننگے سر نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہُوئے، تو اُن کو بُلایا اور فرمایا: "ملک صاحب! ایک بات عرض کروں؟" انہوں نے کہا: مولانا فرمایئے۔ کیا ارشاد ہے۔" کہا: "ننگے سر نماز نہ پڑھا کریں۔"

جمعِ تقدیم اور جمعِ تاخیر

نماز میں جمعِ تقدیم کے بھی وہ قائل نہ تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا اور اس پر انہیں اصرار

نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ

سوال: نمازی کے دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

جواب: امام اور منفرد اپنے جسم کی ساخت کے مطابق بغیر مشقت اٹھانے کے اس طرح نماز میں کھڑے ہوں کہ پاؤں کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور قیام رکوع اور سجود کی حالت میں پاؤں ایک جگہ جمے رہیں۔ سجدہ کرتے وقت پاؤں کو پھیلانا یا سکیڑنا نہ پڑے اور تکبرانہ انداز بھی معلوم نہ ہو البتہ نماز باجماعت کی صف بندی کرنے میں دو چیزوں کی احادیث میں سخت تاکید کی گئی ہے:

1- نمازی حضرات صف میں اس طرح پاؤں گھٹنے، کندھے اور گردنیں برابر کریں کہ صف بالکل سیدھی بن جائے کوئی نمازی بھی صف میں آگے پیچھے نہ ہو ورنہ صف ٹیڑھی ہو جائے گی۔

2- نمازی اتنے قریب قریب ہو کر کھڑے ہوں کہ دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ نہ رہے۔ جماعت کی صف بندی کے متعلق چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1- حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف چہرہ کر کے تین مرتبہ فرمایا: ''اپنی صفیں سیدھی کرلو اللہ کی قسم اگر تم اپنی صفیں سیدھی نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں باہمی مخالفت پیدا کر دے گا۔'' حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں: ''اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ہر آدمی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنے گھٹنے کو اس کے گھٹنے سے اور قدم کو اس کے قدم سے ملاتا ہے۔''

(ابوداؤد؛ ج 1 ص 97)

2- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صفوں کو سیدھا کرو! کندھوں کو برابر کرو! خالی جگہوں کو پر کرو! اپنے بھائیوں کے آگے نرم رہو اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ چھوڑو۔''

(ابوداؤد؛ ج 1 ص 97)

3- حضرت انسؓ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی صفوں میں تم قریب قریب ہو جاؤ اور گردنیں برابر کرو۔''

(ابوداؤد؛ ج 1 ص 97)

ان احادیث سے چند امور معلوم ہوئے:

1- اصل مقصود یہ ہے صفیں سیدھی ہوں اور نمازی اس طرح صف بندی کریں کہ

درمیان میں جگہ خالی نہ رہے۔

2- ٹخنے سے مراد قدم ہے یعنی پاؤں کو پاؤں کے ساتھ ملانا کیونکہ ٹخنے سے ٹخنہ تب مل سکتا ہے کہ دونوں پاؤں کو باہر کی جانب ٹیڑھا کیا جائے لیکن اس طرح نماز میں کھڑا ہونا مشکل ہے۔لہذا ٹخنہ سے مراد قدم ہے۔

3- پاؤں وغیرہ کو حقیقتاً پاؤں کے ساتھ ملانا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہے قریب قریب کرنا کیونکہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں تین چیزیں ملانے کا حکم ہے۔ٹخنہ، گھٹنا، کندھا اور گھٹنا، گھٹنے سے کسی صورت نہیں مل سکتا اور جب پاؤں ملانے کے لئے ٹانگیں چوڑی کریں گے تو کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جائے گا اور اگر بالکل پاؤں کو پاؤں سے کندھے کو کندھے سے ملا دیا جائے تو نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا۔نمازیوں کی ایک دوسرے سے دھکم پیل ہوگی اس لیے نماز میں پاؤں کو پاؤں کے ساتھ ملانے کی کوشش میں لگا رہنا، لغو حرکت ہے اور اپنی نماز کو ضائع کرنا ہے۔جس کو اصرار ہو کہ حدیث میں الزاق (ملانے) کا حکم ہے اس لیے وہ پاؤں سے پاؤں ملاتا ہے تو اس کو کہا جائے حدیث میں کعب (ٹخنہ) کا لفظ ہے لہذا دونوں طرف اپنے ٹخنے ملایا کرو! نیز گھٹنے بھی، کندھے بھی ملاؤ! اس لیے غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ چھنگلی کو چھنگلی کے ساتھ یا پاؤں کو پاؤں کے ساتھ ملانے کی بے جا حرکت سے باز آئیں۔پس معلوم ہوا کہ اس سے مراد قریب قریب کھڑا ہونا ہے اس طور پر کہ درمیان میں جگہ خالی نہ رہے۔

4- یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پاؤں کا درمیانی فاصلہ شریعت میں مقرر نہیں البتہ جسمانی ساخت اور نماز میں خصوصاً سجدہ کی حالت میں پاؤں کو اپنی جگہ سے ہلانا نہ پڑے ورنہ نماز کے سکون کے خلاف ہوگا نیز کندھوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو لہذا پہلے کندھے ملائیں پھر اس کے مطابق دونوں پاؤں رکھیں۔مشاہدہ یہ ہے کہ جو آدمی زیادہ جسیم و لحیم نہ ہو اس کے لیے چار انگلیوں سے چھ انگلیوں تک کا فاصلہ کافی ہو جاتا ہے۔

غیر مقلدین اپنی نماز درست کریں:

آج کل غیر مقلدین حضرات جس قدر پاؤں کے درمیان فاصلہ کرتے ہیں اس سے نماز میں کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

1- پاؤں اتنے چوڑے رکھیں تو سجدہ اور سجدہ کے بعد بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔اس لیے وہ سجدہ میں سمیٹ لیتے ہیں کھڑے ہونے کے بعد پھیلا لیتے ہیں یہ نماز کے سکون کے خلاف ہے۔

2- کندھوں کے درمیان فاصلہ بہت بڑھ جاتا ہے جو احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔

3- غیر مقلدین جیسے پاؤں پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں اگر ان میں سے ہر دو نمازیوں کو سنی حضرات کی طرح اس طور پر کھڑا کریں کہ ہر ایک کے دونوں پاؤں کے درمیان چار چار انگشت کا فاصلہ ہو اور کندھے قریب قریب ہوں تو درمیان میں مزید ایک نماز کی جگہ نکل آتی ہے پس اگر پچاس غیر مقلدین کی صف ہو اور وہ پاؤں پھیلا کر کھڑے ہوں تو درمیان میں کافی نمازیوں کی جگہ خالی رہ جاتی ہے۔ جس کو وہ پاؤں پھیلا کر پُر کرتے ہیں حالانکہ اس جگہ کو نمازیوں سے پُر کرنے کا حکم ہے نہ کہ پاؤں پھیلا کر۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے بہتر وہ نمازی ہیں جو کندھوں کے اعتبار سے نرم ہیں۔ یعنی جب دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ ہو اور کوئی دوسرا نمازی درمیان میں آ کر کھڑا ہونا چاہے تو ان کے کندھے رکاوٹ نہیں بنتے۔ نیز بوقت صف بندی اگر دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ ہو اور ان کو قریب کیا جائے تو وہ قریب ہو جائیں یہ کہیں حدیث پاک میں نہیں کہ اگر خالی جگہ ہو تو اس کو پاؤں پھیلا کر پُر کریں۔ غیر مقلدین کی صفوں میں ہر دو غیر مقلدین کے درمیان ایک نمازی کی جگہ خالی ہوتی ہے۔ جس کو وہ ٹانگیں چوڑی کر کے پُر کرتے ہیں جو مذکورہ بالا حدیث کے خلاف ہے اور صف بھی اس خلا کی وجہ سے ناقص رہتی ہے۔

4- چونکہ حدیث پاک میں پاؤں، گھٹنے، کندھے، قریب کرنے کا حکم ہے۔ غیر مقلدین پاؤں تو خوب ملاتے ہیں لیکن گھٹنوں اور کندھوں میں فاصلہ بڑھا لیتے ہیں یہ بھی حدیث پاک کے خلاف ہے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِھِمْ جب غیر مقلدین مردوزن نے حنفیوں کی ضد میں ٹانگیں چوڑی کرنی شروع کر دیں تو غیر مقلدین علماء نے ان متعصب غیر مقلدوں کی اصلاح کے لیے فتوے بھی جاری کیے۔

آپ وہ ملاحظہ فرمائیں:

1- مولانا عبداللہ روپڑی فرماتے ہیں: ”بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندھے نہیں ملتے، وہ غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے، کندھے ملانے کا بھی ذکر ہے۔“

(فتاویٰ علماء حدیث: 3/21)

2- بعض غیر مقلدین کھڑے ہونے کی حالت میں پاؤں ملا لیتے ہیں پھر سجدہ میں ہٹا لیتے ہیں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے مولانا روپڑی صاحب فرماتے ہیں: ”پھر سجدہ میں اپنی جگہ سے ہٹائے جاتے ہیں پھر اُٹھ کر ملائے جاتے ہیں، جیسے جاہلوں کی عادت ہے۔ ایسا جدا کرنا اور ملانا تو ٹھیک نہیں کیونکہ نماز میں بلا وجہ پاؤں کو اِدھر اُدھر کرنا نا جائز ہے بلکہ تمام نماز میں

فرد مراد لینا یہ بھی آپ کی ذہول غلطی ہے۔ کیونکہ الف لام عہد خارجی تب ہوتا ہے نعمان بن بشیر رض کا مقصود کسی ایک شخص کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا جو متکلم مخاطب کے درمیان متعین ہوتا ہے ایسا نہیں۔ کیونکہ وہ اس بات کو مسئلہ کے رنگ میں بیان کر رہے ہیں۔ کہ ہم جماعت میں اس طرح مل کر کھڑے ہوتے کہ ایک دوسرے سے ٹخنے ملاتے۔ یہاں تک معین شخص سے کچھ مطلب ہی نہیں۔

اسی طرح انس رض کی حدیث میں احدنا ... ایسا ہی ہے جیسے فاتحہ خلف الامام کی حدیث میں ہے "فلیقرأ احدکم فاتحۃ الکتاب فی نفسہ" چاہیے کہ ایک تمہارا آہستہ فاتحہ پڑھے۔

اور برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی حدیث میں ہے طہور اناء احدکم پاک برتن ایک تمہارے کی" وغیرہ۔ رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی کہ قدم مراد ہے کیونکہ جب تک پاؤں ٹیڑھا نہ کیا جائے۔ ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں مل سکتا۔ تو گویا دونوں پاؤں ٹیڑھے کر کے کھڑا ہونا پڑے گا۔ جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے دوم انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہتیں۔ سوم اس لئے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خشوع کے منافی ہے۔ چہارم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لیے ٹخنہ سے ٹخنہ مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قدم مراد ہے۔

اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ٹخنہ کی جگہ قدم مراد ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مراد قدم ہی ہے۔ اسی لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی قدم ہی کا باندھا ہے۔ اور بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندھے نہیں ملتے، وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے کندھے ملانے کا بھی ذکر ہے۔ پس قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ کندھوں میں ہے۔ تاکہ دونوں مل جائیں۔

(حضرت العلام مولانا عبداللہ روپڑی)

تنظیم اہلحدیث

فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصلوٰۃ

حصہ دوم

مرتب: ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر: المكتبة الرحمانية
مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

پاؤں ایک جگہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ نماز میں فضول حرکت نہ ہو۔"

(فتاویٰ علماءحدیث؛3/199)

نوٹ: غیر مقلدین حضرات اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث میں تاویل کیے بغیر حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث کے مطابق ٹخنے سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنا، کندھے سے کندھا ملا کر نماز شروع کر دیں یا اپنا موجودہ عمل کہ کھڑے ہو کر پاؤں کو پاؤں سے ملانا اور ٹخنے سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنا، کندھے سے کندھا دور رکھنا، کسی قولی یا فعلی صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث میں دکھا دیں اور اس کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

☆☆☆

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ اہلحدیث

جلد دوم

از

مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی

المتوفیٰ

۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۴ھ ○ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۶۴ء

شائع کردہ

ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

(پاکستان)

ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۲ رمضان ۱۳۸۳ھ - ۷ فروری ۱۹۶۴ء

جماعت میں ٹخنے سے ٹخنہ ملانا

سوال:۔ نماز باجماعت میں الزاق الکعبین (ٹخنوں سے ٹخنے ملاکر کھڑے ہونا) اہل حدیث کا مسلک ہے لیکن کسی مرفوع روایت سے الزاق الکعبین کا ثبوت صریح نہیں ہے۔ صرف بخاری شریف و ابوداؤد میں نعمان بن بشیر صحابی سے اتنا آیا ہے۔ رایت الرجل منا یلزق کعبہ بکعبہ صاحبہ۔ سو یہ ایک کسی صحابی کا فعل ہے کوئی قولی یا فعلی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ پھر اس میں یہ بھی نہیں کہ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایسا ہوتا تھا۔ اور آپ نے اس کو دیکھ کر سکوت فرمایا جس سے یہ حدیث تقریری ہو جائے۔ نیز الرجل منا پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے عمومیت اس فعل کی نہیں سمجھی جاتی۔

بعض صحابی کا صف بندی کرتے ہوئے یہاں تک اہتمام تھا فی روایۃ احدنا وہاں بھی اضافت سے تعیین ہی مراد ہے۔ نیز الزاق کعبین پر جیسا دہلی وغیرہ میں عمل۔ ہوتا ہے کہ پاؤں پر پاؤں چڑھا دیتے ہیں اور ٹخنے کو ٹخنے سے رگڑا جاتا ہے اور پاؤں کو قبلہ رُخ سے ٹیڑھا کر دیا جاتا ہے۔ اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ہے۔ دُوسرے الزاق کعبین میں بار بار رکوع و قیام میں حرکت کی جاتی ہے جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے۔ تیسرے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ الزاق کعبین صرف بوقت قیام ہی ہوتا تھا یا بوقت رکوع و سجود بھی ہوتا تھا۔ میرے خیال میں حدیث کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ علمائے اہل حدیث نے سمجھا ہے بلکہ مقصود شارع علیہ السلام کا صرف التصاق فی الصف ہے۔ وہ قدم سے قدم ملانے سے ہو سکتا ہے جو حدیث میں یلزق کعبہ بکعب صاحبہ ہے اس سے مُراد فقط محاذات اور قرب فی الصف ہے اس طور سے فرجہ ما بین الصف نہ رہے کیونکہ شارع علیہ السلام کا مقصود صرف وصل صف و سدِ فرجہ ہے کما قال سدا الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان الحدیث۔ اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں اس اثر نعمان بن بشیر رضؓ پر جو تبویب باندھی ہے وہ یہ ہے الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم (صحیح بخاری جلد اوّل ص۱۰۰)

بخاری علیہ الرحمۃ نے یلزق کعبہ بکعب صاحبہ سے الزاق کعبین جو ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبویب میں ذکر نہیں کیا۔اس کو کہتے ہیں فقہ البخاری فی تراجمہ صرف الزاق القدم بالقدم اس سے سمجھا۔ پس آپ اس مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالیں"

(السائل ابو محمد عبدالجبار خطیب مسجد اہل حدیث رنگون برما)

جواب :۔ شرح تحفہ میں جابرؓ کی حدیث کنا نعزل والقران ینزل (ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا) کو مرفوع تقریری حکم میں شمار کیا ہے۔یعنی صحابی اگر کہتے کہ ہم وحی کے زمانہ میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا عہد نبوی میں فلاں کام کرتے تھے یا اس قسم کی کوئی اور عبارت بولے جس کا مطلب یہی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل یہ کام ہوتا تھا تو یہ بھی مرفوع حدیث کی قسم ہے۔ سو اس بناء پر نعمان بن بشیر کی روایت مرفوع ہوئی پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ الزاق الکعبین (ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونے کا مسئلہ) مرفوع حدیث نہیں۔اس کے علاوہ نعمان کی حدیث میں پہلے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔صفیں ٹھیک کرو ورنہ خدا تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔اس کے بعد نعمانؓ کہتے ہیں۔

فرأیت رجلا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبتہ صاحبہ رکعبہ بکعبہ (ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف)

پس میں نے دیکھا ایک شخص دوسرے شخص کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے اور گھٹنہ سے گھٹنہ اور ٹخنہ ٹخنہ سے اس عبارت میں فرأیت کے لفظ میں فا بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل انہوں نے اس سے کی کہ ایک دوسرے سے کندھے، گھٹنے اور ٹخنے ملا کر کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ان کی طرف متوجہ تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کی یہ صورت اختیار کی ہے تو یہ حدیث قولاً بھی مرفوع ہوگی اور تقریر صریح سے بھی مرفوع ہوگی۔اور انسؓ کی حدیث میں ہے جو بخاری کے اسی باب میں ہے

اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظہری وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکبہ وقدمہ بقدمہ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اپنی صفیں ٹھیک کرو کیونکہ میں تمہیں اپنی پچھاڑی سے بھی دیکھتا ہوں۔ اور ہمارا ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملانا اور قدم سے قدم ملانا اس حدیث میں پچھاڑی سے بھی دیکھنے کا ذکر ہے۔پس آپ کا اس کو مرفوع شمار نہ کرنا ڈبل غلطی ہے اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں الرجل کے

الف لام کو عہد خارجی بنانا اور انسؓ کی حدیث میں احدنا سے ایک معین مراد لینا یہ بھی آپ کی ڈبل غلطی ہے کیونکہ الف لام عہد خارجی تب ہوتا جب نعمان بن بشیرؓ کا مقصود صرف ایک شخص کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا جو متکلم مخاطب کے درمیان متعین ہوتا حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ وہ اس بات کو مسئلہ کے رنگ میں بیان کر رہے ہیں کہ ہم جماعت میں اس طرح مل کر کھڑے ہوتے کہ ایک دوسرے سے ٹخنے ملاتے یہاں ایک معین شخص سے کچھ مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح انسؓ کی حدیث میں احدنا ایسا ہی ہے جیسے فاتحہ خلف الامام کی حدیث میں ہے۔

فلیقرأ احدکم فاتحة الکتاب فی نفسه

چاہیے کہ ایک تمہارا آہستہ فاتحہ پڑھے

اور برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی حدیث میں ہے۔ "طھور اناء احدکم" پاکی برتن ایک تمہارے کی وغیرہ۔ رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی ہے کہ قدم مراد ہے کیونکہ جب تک پاؤں ٹیڑھا نہ کیا جائے ٹخنے سے ٹخنہ نہیں مل سکتا تو گویا دونوں طرف ملانے کے لئے دونوں پاؤں ٹیڑھے کرکے کھڑا ہونا پڑے گا۔ جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے۔ دوئم انگلیاں قبلہ رُخ نہیں رہتیں سوئم اس کے لئے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خشوع کے منافی ہے۔ چہارم پاؤں کے اندر کی جانب اٹھانی پڑتی ہے جس سے سارا پاؤں زمین پر نہیں لگتا۔ غرض اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لئے ٹخنے سے ٹخنہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ قدم مراد ہے۔ اور انسؓ کی حدیث میں ٹخنہ کی جگہ قدم ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مراد قدم ہی ہے اس لئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی قدم ہی کا باندھا ہے اور بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کرکے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندھے نہیں ملتے وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے کندھے ملانے کا بھی ذکر ہے۔ پس قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کندھوں میں ہے تاکہ دونوں مل جائیں۔

عبداللہ محدث روپڑی

پیچھے آنے والا مقتدی بچوں کو اگلی صف سے پیچھے ہٹا کر خود کھڑا ہو سکتا ہے؟

سوال:۔ پہلی صف میں بڑوں کے ساتھ بچے بھی کھڑے ہوں تو بعد میں آنے والا کسی بچے کو پیچھے ہٹا کر خود اس کی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ پہلی صف میں اگر جگہ ہو تو بچے کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ بچہ اگر زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ اور باقی لوگ

نماز شروع کرتے وقت ھاتھ کانوں تک اٹھانا

سوال: سنی حضرات نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں جبکہ غیر مقلدین کندھوں تک اٹھاتے ہیں، اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ملاحظہ کیجئے!

1- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ۔

(سنن نسائی؛ ج1 ص140)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔“

2- حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں۔ ”صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَتَا اُذُنَیْہِ۔“

(سنن نسائی؛ ج1 ص140)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ اٹھائے حتی کہ اپنے کانوں کے برابر کیے۔“

3- ”عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ .... اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا صَلّٰی رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ یُکَبِّرُ حِیَالَ اُذُنَیْہِ۔“

(سنن نسائی؛ ج1 ص140)

حضرت مالک بن الحویرثؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کے وقت ہاتھ کانوں کے برابر اٹھاتے۔“

4- عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِیْنَ دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ......... حَتّٰی حَاذَتَا فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ.

(سنن نسائی؛ ج1 ص140، مسلم؛ ج1 ص168)

حضرت مالک بن الحویرثؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں کانوں کے کناروں تک ہاتھ اٹھاتے۔“

5- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے: ''رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكَادَ اِبْهَامَاهُ تُحَاذِيْ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ.'' (سنن نسائی؛ ج1 ص 141)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ ''انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ اٹھائے حتی کہ آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب تھے۔''

6- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے: ''اِنَّهُ اَبْصَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى بِاِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ۔
(سنن ابوداود؛ ج1 ص 105)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ ''انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے اور انگوٹھے کانوں کے برابر کیے۔''

7- ''عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ اُذُنَيْهِ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُهُمْ فَرَاَيْتُهُمْ يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلٰى صُدُوْرِهِمْ فِيْ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَاَكْسِيَةٌ۔'' (سنن ابوداود؛ ج1 ص 105)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کی تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے پھر میں دوبارہ آیا تو میں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے سینوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ان پر ٹوپیاں اور چادریں ہیں۔''

فائدہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی فقاہت اور اجتہادی رائے سے ان مختلف روایات کے درمیان تطبیق یوں دی کہ نمازی نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیاں کانوں کے اوپر والے کناروں کے برابر ہوں تاکہ بیک وقت سب روایات پر عمل ہو جائے۔ باقی سینہ تک ہاتھ اٹھانے کی روایت عذر و مجبوری پر محمول ہے جیسا کہ یہ جملہ کہ ان پر ٹوپیاں اور چادریں تھیں۔ اسی عذر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ سردی کا موسم تھا چادریں لپٹی ہوئی تھیں اس عذر کی وجہ سے چادروں کے اندر ہی سینے تک ہاتھ اٹھائے۔

نوٹ: اگر غیر مقلدین ان مختلف روایات کے درمیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیصلہ صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث میں دکھادیں کہ آپ نے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہو اور کانوں تک اٹھانے سے منع کیا ہو یا آپ نے اختیار دیا ہو کہ تمہیں اختیار ہے جیسے چاہو کر لو یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث راجح ہے اور اس حدیث کی صحت امتیوں کے

النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ ((حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَيْفَ صَلَّى)).

طرح فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ آدمی کو خیال ہی نہیں رہتا کہ اس نے کیوں کر نماز پڑھی (یعنی اس کے منتشر خیالات میں اس کا دھیان بٹ جاتا ہے)۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْمَنْكِبَيْنِ مَعَ تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ وَالرُّكُوعِ وَفِي الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ وَأَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ

باب: تکبیر تحریمہ، رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت مونڈھوں تک دونوں ہاتھ اٹھانے اور سجدوں کے درمیان ہاتھ نہ اٹھانے کے احکام

٨٦١- عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَقَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُهُمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

٨٦١- عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ جب نماز پڑھتے تو اپنے مونڈھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اسی طرح رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور سجدوں کے درمیان میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

(٨٦١) ☆ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ نماز کی ابتداء میں رفع الیدین (کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھانے) کرنے کے لیے پوری امت کا اجماع ہے لیکن اور دوسرے مقامات میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ اور دیگر جمہور علماء کے نزدیک رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا مستحب ہے نیز امام شافعیؒ نے کہا کہ جب تشہد پڑھ کر کھڑا ہو تو بھی رفع یدین کرے کیونکہ امام بخاریؒ نے بحوالہ عبداللہ بن عمر لکھا ہے کہ رسول اللہؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور ابو حمید ساعدی نے بھی باسانید صحیحہ یہی بیان کیا ہے جنہیں ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے تحریر کیا ہے علاوہ ازیں ابو بکر بن منذر ابو علی طبری اور بعض اہل حدیث کے نزدیک دونوں سجدوں کے درمیان میں بھی رفع یدین کرنا مستحب ہے امام ابو حنیفہ اہل کوفہ اور امام مالک کی مشہور روایت یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں رفع یدین نہیں ہے اور بالاجماع رفع الیدین کرنا کسی وقت بھی واجب نہیں ہے (ہاں سنت نبوی ضرور ہے)۔ اس کے برخلاف امام داؤد ظاہری نے بوقت تکبیر تحریمہ رفع الیدین کرنے کو واجب لکھا ہے نیز امام ابوالحسن احمد بن سیار کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین واجب ہے۔

کہاں تک ہاتھ اٹھائے جائیں:

جمہور علماء کا عمل اور بیان ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں تک اس طرح اٹھایا جائے کہ انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر تک پہنچ جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو تک رہیں۔

رفع الیدین کرنے کا وقت:

الترمذی و فی ادب المفرد للبخاری بلفظ اشرف العبادۃ الدعاء ۱۲منہ
(تنقیح الرواۃ ج ۲ ص ۹۶) نماز کے بعد وقت مبارک اور قبولیت دعا کا ہے اس لئے
شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے تاکہ اس کے وسوسوں میں مبتلا
ہو کر یہ دعا مانگنے سے محروم ہو جائیں اس لئے ایسے لوگ بیچارے مجبور ہیں یہ کرید
میں رہتے ہیں اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی وساوس سے
سب کو محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کیا حکم ہے ایسے شخص کے حق میں جو چند ایک نمازیوں کی موجودگی میں طنزاً
کیا استہزاءً یا حقارتاً رفع الیدین کے بارے میں کہے کہ یہ لوگ روتے پیٹتے ہیں اور
ساتھ ہی حقارت کے طور پر ہاتھ سے اشارہ بھی کرے جواب مدلل ہو (حافظ عبد الحکیم)

جواب: شخص مذکور جہالت کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے لسے
انکار ہے تو کیا حضرت پیر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین بھی اس نے نہیں دیکھی
اسے دیکھے اور آئندہ ایسی جہالت کے الفاظ نہ کہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

(۱۱ مئی ۱۹۳۲ء)

تشریح: از قلم حضرت مفتی مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز:
اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ 580/813

www.KitaboSunnat.com

ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و
مسلم کی روایت ہے۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ
حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من
الرکوع رفعہما کذالک (متفق علیہ)۔

اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے ورنہ دھوکہ دینا چھوڑ دیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں اور تقلید نہیں کرتے۔

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

سوال: کیا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی دلیل ہے؟

جواب: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے عمل سے ثابت ہے۔ ملاحظہ کیجیے!!

1- ''عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص390)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے فرمایا: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔''

2- ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْاَيْدِيْ تَحْتَ السُّرَّةِ. ''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص391: مسند احمد؛ ج1 ص110)

حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ''نماز کی سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔''

3- ''قَالَ الْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْ سَأَلْتُهٗ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ يَصْنَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَ يَجْعَلُهَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ .''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص391: آثار السنن ص71 و قال اسناده صحیح)

حضرت حجاج بن حسانؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجلزؒ سے سنا، یا دریافت کیا کہ ''نمازی ہاتھ کس طرح رکھے؟ تو انہوں نے کہا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے بیرونی حصہ پر رکھے اور اس کو ناف کے نیچے رکھے۔''

4- ''عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَضَعُ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. ''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص390: آثار السنن؛ ص71 اسناده حسن)

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے کہا: ''اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔''

5- ''عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. ''

(الجوہر النقی علی البیہقی؛ ج2 ص31 محلی ابن حزم ج1 ص)

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: ''ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔''

6- ''عَنْ اَنَسٍ قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَ تَاخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْيَدِّ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.''

(الجوہر النقی علی البیہقی؛ ج 2 ص 32: محلیٰ ابن حزم؛ ج 3 ص 30)

حضرت انسؓ نے فرمایا: ''تین باتیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں؛ روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھنا۔''

7- ''عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلٰوةِ وَضْعَ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ.''

(دار قطنی، بیہقی مسند اہل بیت؛ ص 174)

امیر المومنین حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نماز میں سنت یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے اور ناف کے نیچے باندھے۔'' یاد رہے مسند اہل بیت غیر مقلدین کی کتاب ہے اس کا مصنف محمد بن محمد الباقری ہے جو دو واسطوں سے میاں نذیر حسین کا شاگرد ہے جیسا کہ اس مسند کے ص 8 پر درج ہے آدمی کی عجز و انکساری اور فطرتی ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اگر غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ساتھ سنت کا لفظ دکھادیں تو ہم ان کو سچا مان لیں گے۔

غیر مقلدین کی گستاخی:

غیر مقلد عالم مولانا محمد حنیف فرید کوٹی ان حدیثوں کی یوں توہین کرتا ہے: ''آپ اور آپ کے مقتدی تو بالکل ہی آلہ تناسل پر ہاتھ باندھتے ہیں جس سے وضو ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔''

(قول حق؛ ص 41)

نوٹ نمبر 1: غیر مقلد اپنا دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر اور بایاں ہاتھ دائیں کہنی پر رکھ کر دونو ہاتھ سینے پر رکھ لیتے ہیں اگر غیر مقلدین اپنے اس عمل پر صحاح ستہ سے ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کر دیں اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

نوٹ نمبر 2: غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ ج 1 ص 443 میں لکھا ہے: ''سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں۔'' نیز فتاوی ثنائیہ ج 1 ص 457 میں لکھا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔'' اور مجاہدین لشکر طیبہ کا نصابی کتابچہ ریاض المجاہدین کے ص 90 پر عنوان دیا ''سینے پر ہاتھ باندھنا'' اور حوالہ بخاری باب

الجواب: المسح علی الجوربة لیس بجائز لانه لم یقم علی جوازه دلیل صحیح وکل ما تمسك به المجوزون ففیه خدشة ظاهرة الی آخره

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ | سید محمد نذیر حسین |

من شاء ان یطالع المسئلة مع التفصیلات مع ما له وما علیه فلینظر الفتاوی النذیریه کتاب الطهارة ص۱۹۳۔ ترکناه مع التاسف لعدم السعة فی کتابنا هذا فنرجو من الناظرین الصفح والعفو (جامع)

(نوٹ) مزید تفصیلات کے لیے نیل الاوطار جلد اوّل ص۱۵۱ ملاحظہ ہو۔

سوال: جو ہمسایوں کی چوری کر کے کھائے اور نماز بھی پڑھے اس کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ حرام کا کپڑا جب تک بدن پر ہے نماز قبول نہیں کھانا تو بہت زیادہ اثر رکھتا ہے فرمایا جو جسم حرام سے پلا ہو آگ ہی اس کو کھائے گی۔

| ۲۱ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ |

شرفیہ: مولانا نے جن دو حدیثوں کا ترجمہ پیش فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں من اشتری ثوبا بعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل الله له صلاة ما دام علیه انتهی رواه احمد والبیهقی وقال اسناده ضعیف مشکوٰة ص۲۴۳ ویؤیده ما اخرجه ایضا احمد والدارمی والبیهقی مرفوعا لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی به انتهی مشکوٰة ص۲۴۲ ہر دو احادیث کا مفہوم وہی ہے جو مولانا نے فرمایا ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی سے تا وفات شریف نماز میں ہاتھ سینے پہ باندھتے اور پھر رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر فرماتے رہے یا نہیں الخ۔

جواب: سینے پہ ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں۔ علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم اور مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم بھی ان کے قائل تھے۔

| ۲۸ صفر ۱۳۳۶ھ |

جائز نہیں ہے۔ اب یا تو واؤ کو بمعنی "أو" تسلیم فرما کر اس فتوے ہی کو برقرار رکھیں۔ یا علاوہ کو اس کے معنی میں جس طرح آپ نے خود تسلیم کیا ہے۔ تیمم کو شرط اول قرار دیں۔ جس طرح بکر کا خیال ہے یا اپنے فتوے کو دلیل خارجی سے تقویت پہنچا کر مسئلہ صاف فرمادیں۔ والسلام۔ (۱۹ اپریل ۱۹۴۲ء)

جواب: متعاقب کا مقصد یہ ان کی سطور عبارت سے کما حقہ سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ ہم اپنے فتوے کی تشریح لکھتے ہیں۔ اسی سے تعاقب (اگر کوئی ہے) تو خود اٹھ جائے گا۔ امس بکم الحدیث سے مراد جمیع اعضاء کا دھونا ہے۔ اوما استطعتم کا اشارہ ماؤف جوڑ کے استثناء کی طرف ہے۔ جو غسل سے استثناء ہے۔ اور مسح کا ثبوت خود سائل کی عبارت میں ملتا ہے۔ جس میں پٹی باندھ کر مسح کرنے کا ذکر ہے۔

فائدفع ما اورد بحث ختم! [۱۹ اپریل ۱۹۴۲ء]

سوال: ہاتھ چھاتی پر باندھنے کی دلیل قوی ہے یا ناف تلے۔ (مولا بخش)

جواب: نماز میں ہاتھ زیر ناف باندھنے کی حدیثیں امام احمد اور ابو داؤد نے بیان کی ہیں لیکن اس کے ساتھ دونوں حضرات نے ان کو ضعیف بھی بتلایا ہے اس بارے میں کوئی ایک حدیث مرفوع اور صحیح ثابت نہیں لیکن سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح بھی بتلایا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے یہ حدیث حسن ہے صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے اللہ اعلم (۲ صفر ۱۳۳۶ھ)

(مزید تحقیق آگے ملاحظہ ہو۔)

سوال: بعض اصحاب بعد نماز فرض یا نفل وغیرہ ہاتھ اٹھا کر اور ہاتھ کشادہ نہ کر کے کھلے رکھ کر دعا مانگتے ہیں اس پر ایک مولوی صاحب معترض ہیں کہ اس طرح کھلے ہاتھ دعا نیچے گر پڑتی ہے۔ کیا یہ فرمانا ٹھیک ہے؟

جواب: مسنون طریق یہ ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیوں کو جوڑ کر کھلا رکھے۔ اور دعا کرے اللہ اعلم!

[اہلحدیث امرتسر جلد ۱۳، ۳ مئی ۱۹۱۲ء]

سوال: جمعہ و عیدین کا خطبہ ہوتے وقت جب عوام داخل ہو کر السلام علیکم کہتے

نمبر 477 صفحہ 371 ج 1 کا دیا ہے اسی طرح ''سنن نسائی'' کا حوالہ دیا ہے۔ اگر وہ حدیث مع عربی متن وسند بخاری، مسلم، سنن نسائی میں دکھادیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

قرآت خلف الامام پر دوام ہے یا ترک؟

سوال: سنی حضرات امام کے پیچھے قرأۃ نہیں کرتے۔ کیا اس پر دلیل ہے؟

جواب: ہمارے پاس بہت دلائل ہیں لیکن دلائل پیش کرنے سے پہلے دو باتیں معلوم کرلیں:

1- فاتحہ قرأۃ ہے یا نہیں؟

2- سنی حضرات اور غیر مقلدین کے درمیان جھگڑا کیا ہے؟

فاتحہ قرآت ہے:

یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ فاتحہ قرأۃ ہے:

1- صحیح بخاری؛ ج 1 ص 103 حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسْکُتُ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَأَۃِ .... فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْکَاتُکَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَأَۃِ مَاتَقُوْلُ؟ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ.'' ...... الخ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر اور قرآت کے درمیان کچھ آہستہ آہستہ پڑھتے۔ میں نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تکبیر اور قرآت کے درمیان آہستہ کیا کہتے ہیں؟'' فرمایا: ''میں کہتا ہوں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ...... الخ اور غیر مقلدین مانتے ہیں کہ یہ دعا تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔ لہذا یہاں فاتحہ کو قرآت کہا گیا ہے اور اگر غیر مقلدین کو اصرار ہے کہ فاتحہ قرآت نہیں بلکہ فاتحہ کے بعد والی سورت قرآت ہے تو اس حدیث کے مطابق غیر مقلدین کو چاہیے کہ فاتحہ ختم کر کے تکبیر کہیں پھر اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ والی دعا پڑھیں اس کے بعد سورۃ پڑھیں۔

2- امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ''بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَأَۃِ لِلْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِ'' اس کے تحت حدیث نقل کی ہے ''لاَ صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ'' پس معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک فاتحۃ الکتاب قرآت ہے۔

3- **''عَنْ اَنَسٍ قَالَ؛ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَائَۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.''**

(سنن نسائی؛ ج 1 ص 143: بخاری؛ ج 1 ص 104)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکرؓ اور عمرؓ قرآت شروع کرتے تھے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن'' کے ساتھ۔

4- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کرتے تکبیر کے ساتھ اور قرآت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن'' کے ساتھ۔

(مسلم: ج 1 ص 194)

نیز امام نسائی نے ج 1 ص 143,142 پر چار باب قائم کیے ہیں ''بَابُ الدُّعَآءِ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَ الْقِرَأَةِ'' ان میں قرآت سے مراد فاتحہ ہے کیونکہ یہ دعائیں تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان پڑھی جاتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ امام نسائیؒ کے نزدیک فاتحہ قرآت ہے۔

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کردیں جس میں صراحت ہو کہ فاتحہ قرآت نہیں ہے اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

فائدہ: ہم نے یہ تحقیق اس لیے لکھی ہے کہ آگے دلائل میں جہاں قرآت کا لفظ آئے گا وہاں فاتحہ بھی اس میں داخل ہوگی کیونکہ فاتحہ بھی قرآت ہے پس جو حکم قرآت کا ہوگا، وہی فاتحہ کا ہوگا۔

محل نزاع:

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ نبی علیہ السلام کی اخیر زندگی تک صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرآت کرتے رہے جبکہ اہل السنّت والجماعت کا دعویٰ یہ ہے کہ پہلے امام کے پیچھے قرآت ہوتی تھی بعد میں متروک ہوگئی اور امام کی قرآت کو ہی مقتدی کی قرآت قرار دیا گیا اور مقتدی کو خاموش رہنے اور امام کی قرآت پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

گویا امام و مقتدی دونوں کی قرآت کے ساتھ ہوتی ہے۔ امام کی اس لیے کہ خود اس نے قرآت کی ہے مقتدی کی اس لیے کہ امام کی قرآت مقتدی کی قرآت ہے جبکہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ امام کی قرآت مقتدی کی قرآت نہیں بلکہ وہ اپنی قرآت جدا کرے گا۔

ہمارے پاس پانچ قسم کے دلائل ہیں:

قسم اول: امام کی قرآت مقتدی کی قرآت ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

1- حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے پیچھے قرآت کی اثناء نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرآت سے منع کیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرآت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے نبی

علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے قرآت کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ نبی علیہ السلام نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا: ''جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے لیے امام کی قرآت ہی کافی ہے

(کتاب القراۃ؛ بیہقی ص 126)

2- حضرت جابرؓ بن عبداللہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرآت ہی اس کی قرآت ہے۔''

(موطا امام محمد؛ ص 98)

3- حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج 1 ص 377)

4- حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔

(فتح القدیر؛ ج 1 ص 295: مسند احمد؛ ج 3 ص 339)

5- حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔''

(کتاب القراۃ؛ امام بیہقی ص 138)

6- حضرت عبداللہ بن شدادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز میں امامت کرائی اور ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرآت کی جو نمازی اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے اس کا ذرا بدن دبایا تاکہ قرآت سے باز آجائے جب نماز ہو چکی تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں دبایا تھا؟ منع کرنے والے نے کہا: ''چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے قرآت کر رہے تھے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تم بھی قرآت کرو۔'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا: ''جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔''

(موطا امام محمد؛ ص 101)

7- حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں: ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہر نماز میں قرآت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!'' ایک انصاری

بولے تو پھر قرآت ضروری ہوگئی؟ حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں: ''تمام اہل مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرآت مقتدیوں کو کافی ہے۔''

(دار قطنی ؛ج 1 ص 332)

8- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔''

(کتاب القراۃ؛ص 170)

9- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''جس کے لیے امام ہو تو امام کی قرآت ہی اس کی قرآت ہے۔''

(کتاب القراۃ؛ص 156)

10- حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے امام کی قرآت کافی ہے چاہے وہ آہستہ آواز سے قرآت کرے یا اونچی آواز سے۔''

(دار قطنی ؛ج 1 ص 331)

11- حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''تم قرآت کرتے ہو جبکہ امام قرآت کر رہا تو صحابہ کرامؓ چپ رہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہی سوال کیا۔ صحابہ کرامؓ بولے کہ ہم ایسا کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایسے مت کرو۔''

(شرح معانی الآثار؛ 259)

12- نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی میری داہنی طرف ایک انصاری صحابی تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرآت کی اور میری بائیں جانب قبیلہ مزینہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا میرے پیچھے کس نے قرآت کی؟ انصاری بولے: ''میں نے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا مت کرو کیونکہ جو امام کی اقتداء کرے تو امام کی قرآت ہی مقتدی کی قرآت ہے۔ جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے ان

سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حصہ ملا ہے؟؟؟

(کتاب القراۃ؛ص 176)

13- یحیٰ بن عبد اللہؓ اور یزید بن ابی عیاضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جس کے لیے امام ہو اور وہ اس امام کی اقتداء کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ہرگز قرآت نہ کرے کیونکہ امام کی قرآت ہی اس کی قرآت ہے۔

(کتاب القراۃ ص 183)

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کردیں کہ امام کی قرآت مقتدی کی قرآت نہیں اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

قسم دوم: امام کی قرآت کے وقت مقتدی خاموش رہیں۔

الف: ہماری اس دلیل کی پانچ خوبیاں ہیں:

1- قرآن کریم کی آیت ہے۔ 2- کتاب صحاح ستہ میں سے ہے۔

3- اس پر تفسیر کا عنوان ہے۔ 4- تفسیر مرفوع متصل حدیث کے ساتھ کی گئی ہے

5- اس حدیث کو صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے امام مسلمؒ نے صحیح مسلم ج 1 ص 174 پر اس کو صحیح کہا ہے وہ کتاب سنن نسائی ہے۔ ج 1 ص 146 قرآن کی آیت ہے۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الایہ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف خوب کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس پر امام نسائیؒ نے عنوان قائم کیا ہے تاویل قوله عزوجل ......الخ یعنی اللہ عزوجل کے قول کی تفسیر۔ تفسیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس آیت میں تین امور غیر واضح ہیں۔

1- قرآت کرنے والا کون ہے؟

2- کس وقت اس کی کس حالت میں قرآت کی جائے؟

3- کان لگانے اور خاموش رہنے کا حکم کن لوگوں کو ہے؟ امام نسائی نے نبی ﷺ کی حدیث کے ساتھ تفسیر کے یہ تینوں امور واضح کردیے ہیں وہ حدیث یہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں امام اس لیے ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو اور جب وہ قرآت کرے تم خاموش رہو اس سے معلوم ہوگیا کہ قرآت کرنے والا امام ہے اور وہ نماز کی حالت میں قرآت کرتا ہے کان لگانے، خاموش رہنے کا حکم مقتدیوں کو ہے۔ اس قوی

دلیل سے ثابت ہوا کہ امام جب قرآت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور چونکہ خاموش رہنے کا حکم امام کی قرآت پر مرتب ہورہا ہے اور وہ جہری وسری دونوں نمازوں میں قرآت کرتا ہے تو مقتدی بھی دونوں نمازوں میں خاموش رہے۔ خواہ قرآت فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ اور یہاں استماع اور انصات کا وہی معنی ہے جو صحیح بخاری ج 1 ص 3 پر فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کی تفسیر میں ہے فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ یعنی کان لگا اور اس طرح خاموش رہ کہ زبان کو حرکت بھی نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں غیر مقلدین کے پاس ان خوبیوں کی حامل ایک بھی دلیل نہیں اگر اس آیت کی کوئی غیر مقلد دوسری تفسیر کرے تو وہ بھی صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں صحیح حدیث کے ساتھ تفسیر پیش کرے محض احتمالات اور کمزور روایتوں کی وجہ سے اس اعلیٰ درجہ کی تفسیر کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

1- ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کرلو پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ''ولا الضآلین'' کہے تو تم ''آمین'' کہو۔

(بروایت جریر عن سلیمان عن قتادہ؛ مسلم: ج 1 ص 174)

2- حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز سکھائی فرمایا: ''جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے'' وَاِذَا قَرَأَ (الامام) فَاَنْصِتُوْا'' اور جب وہ امام قرآت کرے تو تم خاموش رہو۔

(مسند احمد ج 2 ص 415، صحیح ابی عوانہ ج 2 ص 133، ابن ماجہ ص 61)

3- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآت کرے تو تم خاموش رہو۔''

(نسائی ج 1 ص 107: مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 377)

4- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا اور جب وہ قرآت کرے تو تم خاموش رہو۔''

(ابن ماجہ؛ ص 61: مسند احمد ج 2 ص 376)

5- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام قرآت کرتے تو تم خاموش رہو۔''

(کتاب القراۃ؛ص113)

6- حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآت کرنے لگے، نماز پوری ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرآت کی ہے؟ تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا۔ ایک صاحب بولے: ''جی ہاں! یارسول اللہ میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' پڑھ رہا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا ہوگیا کہ مجھے قرآن کی قرآت میں کشمکش میں ڈال دیا جاتا ہے کیا تمہیں امام کی قرآت کافی نہیں ہے؟ امام تو بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا فَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا جب وہ قرآت کرے تو تم خاموش رہا کرو!''

(کتاب القراۃ؛ص163,115)

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک حدیث صحیح، صریح، مرفوع اور متصل پیش کردیں جس میں آپ نے مقتدیوں کو اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا کی طرح حکم دیا ہو اِذَا قَرَأَ فَاقْرَئُوْا اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

قسم سوم: مدرک رکوع مدرک رکعت ہے:

اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجائے تو اس کی رکعت ہوجاتی ہے بشرطیکہ اس نے تکبیر تحریمہ کہنے کی مقدار قیام بھی کیا ہو اور تکبیر تحریمہ بھی کہی ہو۔ مقتدی کی یہ رکعت اس لیے ہوجاتی ہے کہ امام کی قرآت مقتدی کی قرآت ہے خواہ اس نے شروع سے امام کے پیچھے اقتداء کی ہو یا قرآت کے درمیان میں آکر شامل ہوا ہو یا رکوع میں شامل ہوا ہو۔ اگر مقتدی پر اپنی قرآت فرض ہوتی تو مدرک رکوع کی رکعت نہ ہونی چاہیے! حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ مدرک رکوع، مدرک رکعت ہوتا ہے۔

احادیث ملاحظہ کیجیے:

1- حضرت ابوبکرؓ سے اس حالت میں پہنچے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں تھے انہوں نے صف تک پہنچنے سے قبل ہی رکوع کرلیا پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کہا زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصاً وَلَا تَعُدْ اللہ تعالی تیرے حرص کو زیادہ کرے اور مت لوٹا تو یعنی نماز کو

(بخاری؛ج1ص108)

حافظ محمد اسماعیل شارح بلوغ المرام فرماتے ہیں: ''لَا تُعِدْ اعادہ سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالی

تجھ میں طلب خیر کے حرص کو زیادہ کرے اور اپنی نماز کو نہ لوٹا کیونکہ وہ صحیح ہے۔

(سبل السلام؛ ج2 ص53 حدیث 21)

2- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’جب تم نماز کی طرف آ ؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کرو اور اس کو کچھ بھی شمار نہ کرو وَمَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَةَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ اور جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔‘‘

(ابوداؤد ج1 ص129)

3- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تلخیص حبیر ج2 ص41 میں فرماتے ہیں: ’’میں نے صحیح ابن خزیمہ کا مطالعہ کیا تو اس میں یہ حدیث پائی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے امام کے ساتھ رکوع کو پالیا قبل اس کے کہ وہ اپنی کمر سیدھی کرے پس تحقیق اس نے رکعت کو پالیا۔‘‘ مزید حدیثیں فتاوی ستاریہ ج1 ص53 تا ص57 میں ملاحظہ فرمائیں اور آثار صحابہ مصنف ابن ابی شیبہ طبع کراچی جلد اول ص243 ص244 ص254، ص255 پر ملاحظہ ہوں۔

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کریں جس میں صراحتاً مذکور ہو کہ مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کردیں تو ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

قسم چہارم:

1- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں ام الکتاب نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر امام کے پیچھے۔

(کتاب القراءة؛ امام بیہقی ص171)

2- حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز ہی نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے۔‘‘ (یعنی امام کے پیچھے فاتحہ کے بغیر ہو جاتی ہے)

(کتاب القراۃ؛ امام بیہقی 136)

3- حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر امام کے پیچھے۔‘‘

(کتاب القراۃ ص371 ص136، سنن کبری ج2 ص69)

4- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

فتاوی ستاریہ

رحمانیہ بک بائنڈنگ ہاؤس
امین پور بازار - لائل پور

طلاق بحالت غصہ۔ **سوال (۵۹)** زید نے غصہ میں آکر اپنی زوجہ کو طلاق دیدی۔ بعدہ ہوش و حواس جب اس کے ٹھکانے آئے تو اپنی اس حرکت بیجا پر نادم و پشیمان ہے اور اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے اب شرع محمدی کی رو سے اس کو بغیر حلالہ کے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں۔؟　　(ایک خادم)

جواب (۵۹) واضح ہو کہ شرع محمدی میں جو طلاق حالت غصہ و غضب میں دی جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ لغو ہے لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِی الْاِغْلَاقِ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالْاِغْلَاقُ اَظُنُّہٗ فِی الْغَضَبِ (ابوداؤد) وَکَذَا فَسَّرَہٗ اَحْمَدُ اَیْضًا (عون) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالت غصہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا اپنے غلام کو آزاد کردے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی طلاق نہیں پڑتی۔ اور نہ غلام آزاد ہو سکتا ہے مَنْ شَاءَ الْبَسْطَ فَلْیُطَالِعْ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد)

الغرض وہ دونوں میاں بیوی ہیں جس طرح پہلے رہتے سہتے تھے اسی طرح آباد ہوں۔ حلالہ کرنے کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ حلالہ کرنا کرانا اللہ و رسول نے حرام کیا ہے اور حلالہ کرنے کرانے والے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ جو حلالہ کرواتے ہیں وہ شریعت محمدیہ سے غافل ہیں واللہ اعلم۔ مفتی فتوے کی غلطی پر ہر صاحب اطلاع دے سکتے ہیں۔

ابو یحییٰ عبد اللطیف عفی عنہ

مدرکِ رکوع **سوال (۶۰)** کیا مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے؟

جواب (۶۰) ہاں مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔ قبل ازیں کہ میں اپنے مدعا کو بدلائل واضحہ ثابت کروں ایک امر ضروری کا اظہار لازم سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جو اصحاب ہم سے اس امر میں مختلف رائے ہیں اور اس بارہ میں ہم کو خطا پر سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں باادب ملتمس ہوں کہ میرے اس جواب کو اول سے آخر تک بنظر انصاف غور و فکر سے دیکھیں اور بعد میں اگر مجھ کو خطا پر پائیں تو مجھ کو اس سے آگاہ کریں۔ اور میرے مانند با دلائل رکوع ملنے کی صورت میں رکعت نہ ہونے کا ثبوت دیں۔ اور اگر کوئی حدیث اس کے خلاف بالفاظ صریحہ نہ پائیں تو برائے مہربانی اس مسئلہ کو مان لیں۔ اور عمل کریں کرائیں۔ وباللہ التوفیق و ہو خیر الرفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

آپ اصحاب اس امر سے تو بخوبی واقف ہیں کہ سورہ فاتحہ ہر ایک مقتدی و منفرد و امام پر واجب ہے اور اس کے ترک سے بالکل نماز نہیں ہوتی چنانچہ اس امر کے دلائل بھی بہت قوی اور کثرت سے ہیں۔ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ سے بھی سورہ فاتحہ کی فرضیت ظاہر ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ۔ لیکن آگے چل کر دو فرقے ہو گئے ہیں کہ جس وقت امام قیام سے فراغت پا کر رکوع میں چلا گیا ہو اس وقت بھی رکعت شمار کی جاوے گی یا نہیں؟

فریق اول نے قیام و فاتحہ کو ایسا مضبوط پکڑا ہے کہ وہ ہر حالت میں ان کی فرضیت کے قائل ہوتے ہوئے مدرکِ رکوع کی رکعت کو شمار نہیں کرتے۔ بلکہ جو احادیث اس بارہ میں وارد ہوئی ہیں ان کو ضعیف اور کمزور کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا قائل نہیں اور میرا ایمان تو یہ تقاضا نہیں کرتا کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو متضاد قرار دیکر دوسرے کو سرے سے اڑا ہی دوں چنانچہ جو احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں وارد ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:—

(۱) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّہٗ انْتَہٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَہُوَ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

یعنی ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ایک دن دوڑ کر رکوع کرتے ہوئے صف میں جاملے بعد سلام آپ نے فرمایا کہ اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے اور صف لوٹاتو (یعنی نماز کو)

اوّل امر قابل غور ہے کہ اگر صحابہ کرام مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت نہ جانتے تو پھر دوڑنے کی کیا ضرورت تھی جس سے صریحًا معلوم ہورہا ہے کہ وہ رکعت کے صحیح ہونے کے قائل تھے چنانچہ اس امر پہ یہ بات اور بھی کافی دلیل ہے کہ ابو بکرہ بعد سلام اس رکعت کے اعادہ کو نہیں کھڑے ہوئے بھر حالت جلسہ یا قومہ یا سجدہ میں کبھی کسی صحابی کا اس طرح کوشش سے داخل ہونا ثابت نہیں کہ جس طرح حالتِ رکوع میں دوڑ کر داخل ہونا ثابت ہے بعد ازاں آپ کا فرمان وَلَا تُعِدْ بضم التاء اس امر کو خوب اچھی طرح واضح کر رہا ہے کہ آپ نے ابو بکرہ کو رکعت کے اعادہ کا امر نہیں فرمایا چنانچہ علامہ حافظ محمد اسماعیل شارح بلوغ المرام فرماتے ہیں ولا تعد بضم المثناۃ الفوقیۃ مِنَ الْاِعَادَۃِ اَیْ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا عَلٰی طَلَبِ الْخَیْرِ وَلَا تُعِدْ صَلٰوتَکَ فَاِنَّھَا صَحِیْحَۃٌ یعنی لَا تُعِدْ اعادہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو نہ لوٹا کیونکہ وہ صحیح ہے۔ آگے آپ فرماتے ہیں قریب بات یہ ہے کہ لَا تَعُدْ بفتح التاء عود سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر دوڑ کر مت آؤ۔ پھر فرماتے ہیں فَاِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْکَلَامِ مَا یُشْعِرُ بِفَسَادِ صَلٰوتِہٖ یعنی اس حدیث سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کی رکعت نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کے فرمان زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ سے یہ بات صاف معلوم ہوئی کہ اس کی رکعت ہوگئی تھی۔ سُبل السلام صفحہ ۱۵۱۔ علامہ موصوف کی اس تقریر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے چنانچہ آپ کا مذہب بھی یہی ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کے متعلق آپ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس بات کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

(دوسری حدیث) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا مَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارُقُطْنِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَۃِ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت سجدہ کی حالت میں آکر ملو تو اس وقت اس رکعت کو شمار نہ کرو اور جو کوئی رکوع میں آکر ملے اس نے نماز پالی۔

لفظِ رکعت اکثر رکوع پر بولا جاتا ہے کما لا یخفٰی عَلَی الْمَاھِرِیْنَ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ اگرچہ اس حدیث کو بوجہ راویوں کے متکلم ہونے کے ضعیف کہا گیا ہے جس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن امام ابوداؤد کا ان ہی راویوں سے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لانا اور پھر اس پر آپ کا سکوت (بِقَوْلِ السُّکُوْتُ مِنَ الرِّضَاءِ) اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یہ حدیث قابلِ حجت ہے اور متروک العمل نہیں۔ بعد ازاں اس حدیث پر غیروں کا جرح کرنا بقول مدعی سست گواہ چست بالکل فضول اور بیکار ہے۔

علامہ شارح ابو داؤد فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے جمہور کی ایک بہت بڑی جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔ علیؓ و ابن مسعودؓ و زیدؓ و ابن عمرؓ و معاذؓ و ابو امامہؓ و سہل بن حنیف اور ابوبکر صدیقؓ یہ سب صحابہ رکوع کی رکعت کو صحیح مانتے تھے۔ مالک و شافعی و ابو حنیفہ و ثوری و اوزاعی و ابو ثور و احمد اور اسحاق یہ اس بات کے قائل ہیں۔ باوجودیکہ مالک اور شافعی کے نزدیک مقتدی و منفرد و امام سب پر سورہ فاتحہ یکساں فرض ہے۔

(تیسری حدیث) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح ابن خزیمہ کا مطالعہ کیا اس میں اس حدیث کو بھی پایا جس کو امام ابن خزیمہ نے اس باب کے تحت میں درج کیا ہے بَابُ ذِكْرِ الْوَقْتِ الَّذِي يَكُونُ فِيهِ الْمَأْمُومُ مُدْرِكًا لِلرَّكْعَةِ إِذَا رَكَعَ إِمَامُهُ قَبْلُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا قَبْلَ أَنْ يُقِيمَ الْإِمَامُ صُلْبَهُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے رکوع میں آملے اس کی رکعت ہوگئی۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کے بہت سے طرق ذکر کر کے صحیح کہا ہے۔ حضرت امام شوکانی اپنے فتاوے میں تحریر فرماتے ہیں کہ جان تو کہ جس وقت کوئی آدمی آوے اور وہ امام کو جس حالت میں پاوے اسی حالت میں امام کے ساتھ مل جاوے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ پس اگر کوئی آدمی امام کو رکوع کی حالت میں پائے اور وہ سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کر دے تو وہ اس حدیث کا خلاف کرتا ہے کیونکہ اس میں تو امام کی متابعت لازمی قرار دی گئی ہے پس اگر کوئی آدمی رکوع میں آکر ملے تو اس کی رکعت ہو جاوے گی کیونکہ یہ بات حدیث سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو رکوع میں امام کے سر اٹھانے سے پہلے آملے گا اس کی رکعت ہو جاوے گی پھر فرماتے ہیں فَعَرَفْتَ بِهٰذَا أَنَّ مِثْلَ هٰذِهِ الْحَالَةِ مُخَصَّصَةٌ مِنْ عَدَمِ إِيجَابِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ یعنی وجوب قراۃ فاتحہ کے عموم سے یہ بات مخصوص ہے کہ اگر رکوع میں ملے گا تو سورہ فاتحہ کی فرضیت اٹھ جائے گی۔ پھر فرماتے ہیں وَإِنَّ الْمُرَادَ إِدْرَاكُ الْكَامِلِ اس سے مراد ادراکِ کامل ہے یعنی اس نے پوری رکعت پالی ہے اس میں کچھ کمی نہیں ہے۔

آگے پھر وضاحت کرتے ہیں فَإِنَّ ظَاهِرَهُ بَلْ صَرِيحَهُ أَنَّ الْمُؤْتَمَّ إِذَا وَصَلَ وَالْإِمَامُ رَاكِعٌ وَكَبَّرَ وَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يُقِيمَ صُلْبَهُ فَقَدْ صَارَ مُدْرِكًا لِتِلْكَ الرَّكْعَةِ وَإِنْ لَمْ يَقْرَأْ حَرْفًا مِنْ حُرُوفِ الْفَاتِحَةِ یعنی حدیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔ اگرچہ اس نے سورہ فاتحہ کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو (نور العین دعون المعبود)

(چوتھی حدیث) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوعَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی نے جمعہ کے دن دوسری رکعت کا رکوع پالیا وہ ایک رکعت اور پڑھ لے۔

اگرچہ اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے جو ہمیں بھی مسلّم ہے مگر ہم اس کو احتجاجاً پیش نہیں کرتے بلکہ استشہاداً پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے مخالفین کے پاس تو سوائے اجتہاد کے بالفاظِ صریحہ کچھ بھی پونجی نہیں۔ مولانا حمید اللہ صاحب مصنّف احادیث التفاسیر نے اس حدیث کو قابلِ حجت مانا ہے۔ دیکھو خطبات التوحید۔

(پانچویں حدیث) أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّحَاوِيُّ مِنْ طَرِيقِ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَنَا وَابْنُ مَسْعُودٍ فَأَدْرَكْنَا الْإِمَامَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعْنَا ثُمَّ مَشَيْنَا حَتّٰى اسْتَوَيْنَا بِالصَّفِّ فَلَمَّا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلٰوةَ قُمْتُ لِأَقْضِيَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَدْ أَدْرَكْتَ الصَّلٰوةَ زید بن وہب کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں نماز کو گئے۔ امام رکوع کی حالت میں تھا۔ ہم بھی رکوع میں شامل ہو گئے۔ بعد سلام میں اس رکعت کو پڑھنے کے واسطے کھڑا ہوا تو عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا اور فرمایا تیری رکعت ہو گئی؟ اس حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام مدرکِ رکوع کو

لے رجم الموھنا جے اخذ بیدی عبد اللہ فاجلسنی الخ یعنی عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا ۱۲ ایڈیٹر

مدرکِ رکعت جانتے تھے۔

(چھٹی حدیث) امام بیہقی نے اپنی کتاب معرفت میں یہ باب منعقد کیا ہے بَابُ اِذَا اَدْرَكَ الْاِمَامَ الخ باب ہے اُس وقت جب پا دے امام کو رکوع کی حالت میں۔ آگے فرماتے ہیں قَالَ الشَّافِعِيُّ بِاِسْنَادِهٖ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ رَاكِعٌ فَرَكَعَ ثُمَّ دَبَّ رَاكِعًا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور امام رکوع میں تھا پس آپ نے بھی رکوع کیا اور اس رکعت کو شمار کیا۔ كَمَا مَرَّ فِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَهٰكَذَا نَقُوْلُ وَقَدْ فَعَلَ هٰذَا زَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی زید بن ثابت نے کیا۔ پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت و ابی امامہ سہل بن حنیف و ابوبکر صدیق و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ ثابت کیا ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔

(ساتویں حدیث) اَخْرَجَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ كَانَا يَقُوْلَانِ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت جانتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام اہلِ علم کا یہی مذہب ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔

الحاصل آنکہ احادیثِ نبویہ و اقوالِ صحابہ و اسلافِ امت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔ لیکن جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ سورہ فاتحہ اور قیام فرض ہے اور رکوع کی حالت میں یہ دونوں فرض ترک ہو گئے۔ لہٰذا رکعت نہ ہوئی۔

اس کا جواب وہی ہے جو علامہ شوکانی دے چکے ہیں کہ یہ وجوب قرأتِ فاتحہ کے عموم سے مخصوص ہے یعنی قرأۃ فاتحہ اور قیام اُس وقت تک فرض ہے جب تک امام رکوع میں نہ گیا ہو اور جس وقت امام رکوع میں چلا گیا اُس وقت یہ دونوں چیزیں فرض نہیں۔ جیسے کہ ظہر کی چار رکعت اُس وقت تک فرض ہیں جب تک آدمی حضر میں ہو اور اگر سفر میں ہو تو دو رکعتوں کی فرضیت اُٹھ گئی۔

اب میں اپنے مضمون کو بخوفِ طوالت علامہ شوکانی صاحب کے قول پر ختم کرتا ہوں آپ آخر میں فرماتے ہیں وَفِيْ هٰذَا الْمِقْدَارِ الَّذِيْ ذَكَرْنَا كِفَايَةٌ فَاشْدُدْ بِذٰلِكَ وَدَعْ عَنْكَ مَا قَدْ وَقَعَ فِيْ هٰذَا الْمَبْحَثِ مِنَ الْخَبْطِ وَالْخَلْطِ وَالتَّرَدُّدِ وَالتَّشْكِيْكِ وَالْوَسْوَسَةِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ۔ یعنی اس مسئلہ میں جو کچھ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں بس یہی تجھ کو کافی وافی ہے اس کو مضبوط پکڑ لے اور جو بھی اس بحث میں خبط اور خلط اور شک و شبہ واقع ہو ان سب کو چھوڑ دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نوٹ:۔ یہ مضمون نہ کسی کی تردید میں ہے نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے فقط احقاقِ حق منظور ہے لہٰذا اگر کوئی صاحب اس کی تردید کرنا چاہیں تو پہلے وہ چند امور کا ضرور لحاظ رکھیں۔ اوّل یہ کہ ہم کو نمبر وار ایک دو حدیث ہی ایسی بتائیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف یہ الفاظ موجود ہوں کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ فرضیتِ فاتحہ و قیام سے اس مسئلہ کی تردید نہ کریں کیونکہ علامہ شوکانی پہلے ہی اس کا جواب دے چکے ہیں ہاں اگر جواب میں کچھ غلطی ہو تو اس سے ہم کو متنبہ کر سکتے ہیں۔ فقط

راقم عاجز داؤد میواتی مدرس اشاعۃ الکتاب والسنۃ

موضع سوکھپوری۔ ڈاکخانہ نگینہ ضلع گوڑگانوہ (میوات)

58/79

وسلم نے فرمایا: ''ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے، وہ نماز نہیں۔ مگر امام کے پیچھے۔''
(کتاب القراۃ: امام بیہقی ص 173)

ان روایات کے علاوہ اس مضمون کی مزید احادیث کتاب القراۃ کے ان صفحات پر ملاحظہ فرمائیں ص 138 ص 122 نیز سنن دار قطنی ج 1 ص 327، موطا مالکؒ ص 66، سنن ترمذی ص 71 اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شرح نخبۃ الفکر میں قاعدہ لکھتے ہیں وَبِکَثْرَۃِ الطُّرُقِ یَصِحُّ کثرت اسناد کی وجہ سے حدیث کو صحیح قرار دیا جاتا ہے۔

نوٹ: قرآت خلف الامام کے متعلق پانچ طرح کی مختلف روایات ہیں

1- لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا۔

(مشکوۃ ص 78 بحوالہ صحیح مسلم)

اس آدمی کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ کو نہیں پڑھا۔

2- اَ صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔

(مشکوۃ ص 78)

اس آدمی کی نماز نہیں جس نے فاتحۃ الکتاب کو نہیں پڑھا اس میں زائد سورت کو نہ لازم کیا گیا ہے نہ منع کیا گیا ہے۔

3- عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ صَامِتٍ فَلَا تَقْرَئُوْا بِشَیْئٍ مِّنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَھَرْتُ. اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ.

(مشکوۃ؛ ص 81)

جب میں اونچی آواز سے قرآت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھو مگر ''ام القرآن'' اس حدیث میں جہری اور سری نماز میں فرق کیا گیا ہے جہری نمازوں (مغرب، عشاء، وفجر) میں امام کے پیچھے سورۃ منع ہے لیکن سری میں منع نہیں۔ ورنہ جہری نماز کی تخصیص کا کیا فائدہ؟؟ خلاصہ یہ کہ جہری میں امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھو زائد سورت نہ پڑھو مگر سری (ظہر وعصر) نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ کے ساتھ زائد سورۃ پڑھنے کی اجازت ہے۔

4- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرآت کی ہے ایک آدمی نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ جی ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں بھی سوچتا ہوں میرے ساتھ قرآن کا جھگڑا کیوں کرایا جا رہا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''یہ بات سن کر لوگ جہری نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآت کرنے سے رُک گئے

یعنی قرآت خواہ فاتحہ ہو یا زائد سورت دونوں سے جہری نمازوں میں رُک گئے لیکن سری نمازوں میں فاتحہ پڑھتے رہے۔'' (مشکوۃ؛ ج1 ص 81)

5- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس لیے ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو اور جب وہ قرآت کرے تم خاموش رہو۔''

(مشکوۃ شریف؛ ج1 ص 81)

اس میں جہری وسری اور فاتحہ وغیر فاتحہ کا فرق ختم کر کے عام حکم کے طور پر فرمایا: ''جب امام قرآت کرے تم خاموش رہو۔'' ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ان مختلف روایات کے بارے میں فقیہانہ اور مجتہدانہ رائے یہ ہے کہ قرآت کے مسئلہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اخیر میں مقتدیوں کو مطلقاً خاموش رہنے کا حکم دیا اور امام کی قرآت کو ہی مقتدیوں کی قرآت قرار دیا گیا۔
اگر غیر مقلدین نے مختلف متضاد روایات کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث میں صراحتاً دکھا دیں اور اس حدیث کی صحت بھی امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

قسم پنجم:

قرآت خلف الامام کے بارے میں شدت:

1- نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْقِرَاۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ۔

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص 139)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام کے پیچھے قرآت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

2- موسیٰ بن عقبہؒ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر، عمر، عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین امام کے پیچھے قرآت کرنے سے منع فرماتے تھے۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص 139)

3- عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں: ''حضرت علیؓ امام کے پیچھے قرآت کرنے سے منع کرتے تھے۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص 138)

4- زید بن اسلمؒ کہتے ہیں: ''حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرآت کرنے سے منع کرتے تھے۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص 140)

5- حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ہو۔'' (مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص138)

6- حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کی فطرت خراب ہے۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص137)

7- حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''جس نے امام کے پیچھے قرآت کی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص139)

8- حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ''جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص137، مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص413)

9- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص138)

10- حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ پسند ہے کہ جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص412)

11- اسود بن یزید تابعیؒ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ پسند ہے کہ جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص138)

12- حضرت علقمہ بن قیسؒ فرماتے ہیں: ''مجھے پسند کہ جو امام کے پیچھے قرآت کرتا ہو اس کا منہ گرم پتھروں سے بھرا جائے۔''

(مصنف عبدالرزاق ج2 ص138)

نوٹ:

1: اگر غیر مقلدین امام کے پیچھے فاتحہ کی فرضیت اور 113 سورتوں کی حرمت کے بارے میں صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کر دیں۔

2: قراۃ خلف الامام کے بارے میں نبی پاک ﷺ اور خلفاء راشدین کا تاکیدی حکم

پیش کر دیں۔

3: امام کے پیچھے قرآت نہ کرنے پر نبی اقدس ﷺ سے کوئی سخت وعید کی صحیح حدیث پیش کر دیں اور ان احادیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

سوال: ابن ماجہ ص 87، مسند احمد ج 2 ص 232 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض الوفات میں مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ مکبر بن گئے آپ امام تو آپ نے قرآت وہاں سے آگے شروع کی جہاں حضرت ابوبکر ؓ نے چھوڑی تھی۔ اس کے مطابق آپ ﷺ کی پوری فاتحہ یا فاتحہ کا کچھ حصہ رہ گیا سوال یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نبی پاک ﷺ کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟؟؟

☆☆☆

ہے۔ اور پڑھنے والے کے منہ میں مٹی ڈالی جائے بلکہ اس کے دانت توڑنے مستحب ہیں اور اس کی نماز باطل ہے۔ دور نہ جائیے خود مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں:

''منہ میں پتھر ڈالنے، آگ بھرنے، مٹی ڈالنے کے یہ الفاظ زیادہ سنگین نہیں۔'' (ملخصاً: ص ۳۱۷ ج ۱)

اور (ص ۳۲۸ ج ۱) پر قراءت خلف الامام کو بدعت فرماتے ہیں'' مگر اسے اگر یہ نقل صحیح ہے کے الفاظ سے مقید کرتے ہوئے بچ نکلنے کا بہانہ بھی بناتے ہیں۔

قارئین کرام ایک طرف حنفی اکابرین جن کی جلالت شان مسلمہ ہے کی یہ آراء ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مولانا صفدر صاحب کی معصومیت دیکھیں جو فرماتے ہیں کہ:

''اگر کسی حنفی نے تمام روئے زمین کے غیر مقلدین حضرات کو ایسا چیلنج کیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اس کی نماز باطل ہے، بے کار ہے، کالعدم ہے تو بلا شبہ اس کو مدافعت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔'' (احسن الکلام: ص ۳۲ ج ۱)

ہم مولانا صفدر صاحب سے ان کے زہد و تقویٰ کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ بتلایا جائے، شمس الائمہ سرخسیؒ، علامہ کیدانیؒ، شیخ عبداللہ البلخیؒ، علامہ مرغینانیؒ، علامہ ابن ہمامؒ، علامہ الحصکفیؒ، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ کون بزرگ ہیں؟ کیا اقلیم حنفیت کے یہ کنکلا ہوں، اور تاجداروں میں شمار نہیں کیے گئے اور کیا انھوں نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کی نماز کو باطل اور انھیں فاسق نہیں کہا؟ کیا انھوں نے فاتحہ پڑھنے کو مکروہ تحریمی ❶ بلکہ حرام نہیں کہا؟

43 ناحق ہم مجبوروں پہ تہمت ہے مختاری کی!
جو چاہے ہیں سو آپ کریں، ہم کو عبث بدنام کیا

اس کے برعکس امام بخاریؒ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ دیانت دارانہ تحقیق کے بعد فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہے وغیرہ۔ اس لیے اگر آج بعض حضرات نے جو قدم اٹھایا ہے اسے پیش قدمی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا۔ متحدہ پاک و ہند میں بعض تنگ ظرف علمائے احناف اور عاقبت نااندیش حنفی دوستوں کی اسی فتویٰ بازی کہ فاتحہ پڑھنے

---

❶ مکروہ تحریمی کا مرتکب کیسا ہے، اور کس سزا کا مستحق ہے۔ ذرا اسے بھی ذہن میں رکھیے۔ علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''قد صرحوا ان المکروہ تحریما قریب من الحرام یستحق بہ محزوراً دون استحقاق النار کحرمان الشفاعۃ''

(تحفۃ الاخیار: ص ۱۸۴)

یعنی حق بات یہ ہے کہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے اور اس کا مرتکب جہنم کے بجائے دوسری سزا کا مستحق ہے۔ مثلاً شفاعت سے محروم رہے گا۔

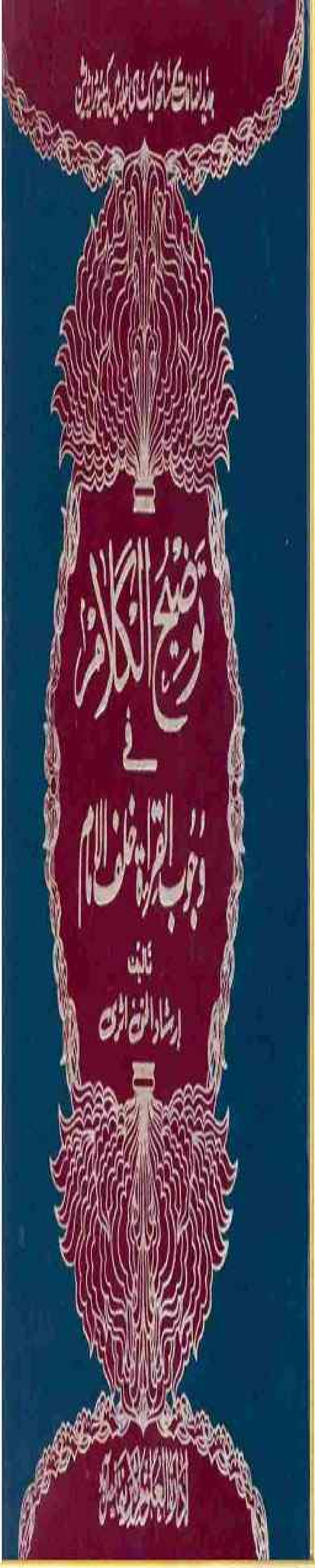

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے منسوخ(الف) ہونے کا بیان

نبی ﷺ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو قرأت کی اجازت دی تھی، مگر ایک مرتبہ جب آپ نے نماز فجر میں قرأت کی تو آپ پر یہ قرأت بھاری پڑی۔ پس جب نماز سے آپ فارغ ہوئے تو کہا: شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو، ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ ہم لوگ جلدی جلدی [۴] پڑھ لیتے ہیں، اس وقت آپ نے کہا کہ: ایسا نہ کرو سوائے اس کے کہ کسی کو سورہ فاتحہ پڑھنا ہو، اس لئے کہ جو اسے نہ پڑھے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی" [۵]۔

پھر جہری نمازوں میں مقتدیوں کو قرأت کرنے سے منع کر دیا، ایسا اس وقت ہوا جب آپ کسی جہری نماز سے فارغ ہوئے (ایک روایت میں ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی) تو آپ نے کہا

۱۔ بخاری نے جزء القراءۃ خلف الإمام میں بسند صحیح اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۲۔ ابوداؤد، ابن خزیمہ (۱/۸۰/۲)، حاکم، طبرانی، ابن حبان، اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور ارواء الغلیل حدیث نمبر (۳۰۲) میں یہ حدیث موجود ہے۔

۳۔ ابوداؤد، ترمذی جنھوں نے اسے حسن قرار دیا ہے حالانکہ اس کی سند صحیح ہے، ملاحظہ ہو صحیح ابی داؤد (۸۰۷)۔

۴۔ حدیث میں "ھذا" کا لفظ ہے جس کے معنی پڑھنے والے کا ساتھ پکڑنے کیلئے جلدی جلدی پڑھنے کے ہیں۔

۵۔ بخاری کی جزء القراۃ خلف الإمام، ابوداؤد، احمد، ترمذی، دار قطنی، اس حدیث کو ترمذی اور دار قطنی نے حسن قرار دیا ہے۔

(الف) ملاحظہ ہو مقدمہ مترجم ص ۷۶-۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ 166/301

www.KitaboSunnat.com

کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کیا ہے، تو ایک آدمی نے کہا ہاں! میں نے یا رسول اللہ۔ آپ نے کہا "انی اقول مالی انازع القرآن" [۱] تبھی تو میں کہتا ہوں کہ کیا بات ہے کہ قرأت قرآن میں میری آواز سے آواز ٹکرائی جا رہی ہے؟ (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں) کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سن لی تو جہری نمازوں میں آپ کے ساتھ قرأت کرنا چھوڑ دیا (لیکن سری نمازوں میں آہستہ آہستہ پڑھتے رہے) [۲]۔

امام کی قرأت پر خاموشی کو اقتدائے تام قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ "امام بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے، اس لئے جب وہ "اللہ اکبر" کہے تو تم بھی "اللہ اکبر" کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو" [۳]۔

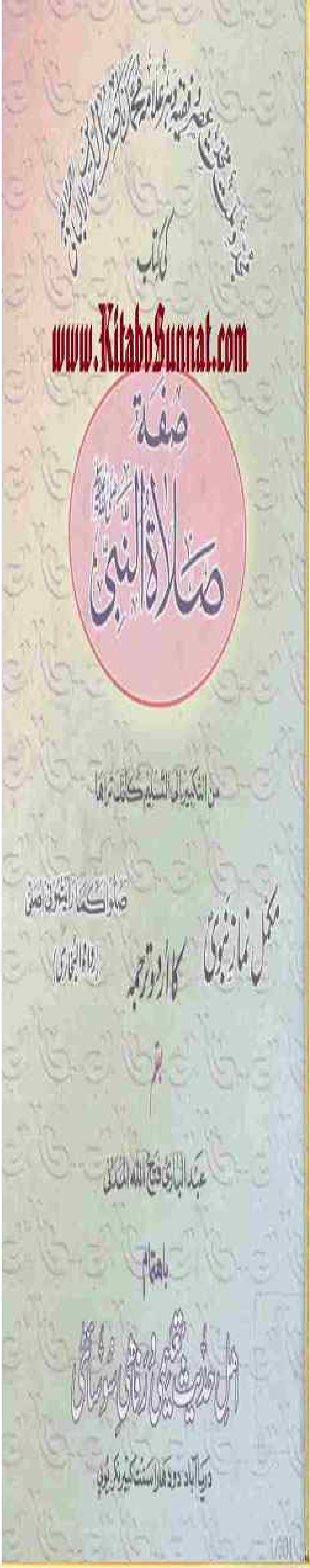

پھر آپ ﷺ نے جہری نمازوں میں ہر قسم کی قرأت سے منع فرمایا جب کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے جہری قرأت کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ صبح کی نماز تھی آپ ﷺ نے نمازیوں سے استفسار کیا تم میں سے کوئی انسان میرے پیچھے پڑھتا رہا ہے ایک نمازی نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میں پڑھتا رہا ہوں اس پر آپ نے فرمایا میں بھی سوچتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھ سے قرآن جھگڑتا

(گزشتہ سے پیوستہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جہری اور سری نمازوں میں قرأت کا حکم دیتے ہیں اس حکم کی نسبت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے معلوم ہوا یہ جملہ ابو ہریرہ کا نہیں ہے پھر خداج والی حدیث کے راوی بھی ابو ہریرہ ہیں جس میں ہر نماز ادا کرنیوالے کیلئے سورت فاتحہ کی قرأت واجب ہے خواہ نماز ادا کرنیوالا امام ہو یا مقتدی یا منفرد ہو، نیز ابو ہریرہ کا یہ قول اِقْرَأ بِهَا فِي نَفْسِكَ بھی امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے

امام ترمذیؒ فَانْتَهَى النَّاسُ (الخ) کے ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:- ((وَلَيْسَ فِي هذا الحديث مايدخل على ما راى القرأة خلف الامام لان ابا هريرة هو الذى روى عن النبى ﷺ هذا الحديث وروى ابى هريرة عن النبى ﷺ انه قال من صلىٰ صلوٰة لم يقرأ فيها بام لقرآن فهي خداج غير تمام فقال له حامل الحديث انى اكون احيانا وراء الامام قال اقرأ بها فى نفسك)) ''اس حدیث سے اس شخص کو ہرگز وسوسہ لاحق نہیں ہو سکتا جو امام کے پیچھے قرأت کا قائل ہے اس لئے کہ ابو ہریرہ وہ راوی ہیں جنہوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا، نیز اس نے نبی ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا جس شخص نے نماز ادا کی اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں ہے اس حدیث کے ناقل نے ان سے دریافت کیا کہ جب میں امام کی اقتداء میں ہوں تو آپ نے فرمایا پوشیدہ ادا کر لیا کرو۔ (تحفۃ الاحوذی ۱/۲۵۵)

شیخ البانی نے نسخ قرأۃ پر اذاقرء فانصتوا اور من كان له امام فقرأة الامام له قرأة سے بھی استدلال کیا ہے، مولانا عبدالرحمان مبارک پوری نے لکھا ہے کہ اذاقرء فانصتوا جملہ اکثر حفاظ کے نزدیک صحیح نہیں ہے مزید تحقیق کیلئے تحفۃ الاحوذی ۱/۲۵۹ کا مطالعہ کریں، اور فقرأة الامام له قرأة کے بارے میں مولانا عبدالرحمان مبارکپوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں مزید تحقیق کیلئے تحقيق الكلام فى الفاتحة خلف الامام کا مطالعہ کریں اس مسئلہ میں بے نظیر کتاب ہے

اب ایک سوال ذہن میں بار بار آتا ہے کہ شیخ البانی جو فن رجال میں مسلم حیثیت کے مالک ہیں اور اعاظم رجال سے شمار ہوتے ہیں انہیں کیسے غلط فہمی ہو گئی اور انہیں پتہ نہ چلا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے (قرآن پڑھا نہیں جا رہا ہے)، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ رسول اکرم ﷺ کی اقتداء میں قرأت سے رک گئے جب رسول اکرم ﷺ جہری قرأت فرماتے اور سری نمازوں میں جس میں امام قرأت جہری نہیں کرتا اس میں سری قرأت کرنے لگے۔

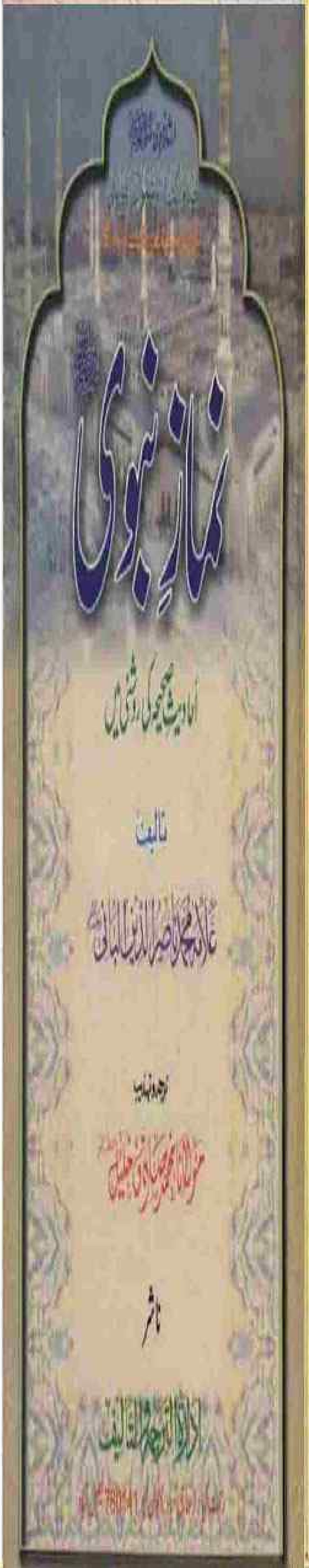

ہیں جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان میں فاتحہ فرض نہ ہو۔ اس بناء پر جہری نماز کے متعلق یہ کہا ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی۔ یہ سب علماء کا فتوی نہیں۔ ہمارا تو یہ مسلک ہے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فرعی اختلافی ہونے کی بناء پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے۔ اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ اور ہماری تحقیق میں فاتحہ خلف الامام ہر نماز میں جہری ہو یا سری فرض ہے۔ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جو امام احمد بن حنبل سے یہ نقل کیا ہے۔

وَهٰذَا النَّبِيُّ وَاَصْحَابُهٗ وَالتَّابِعُوْنَ وَهٰذَا مَالِكٌ فِيْ اَهْلِ الْحِجَازِ وَهٰذَا الثَّوْرِيُّ فِيْ اَهْلِ الْعِرَاقِ وَهٰذَا الْاَوْزَاعِيُّ فِيْ اَهْلِ الشَّامِ وَهٰذَا اللَّيْثُ فِيْ اَهْلِ مِصْرَ مَا قَالُوْا لِرَجُلٍ صَلّٰى وَقَرَأَ اِمَامُهٗ وَلَمْ يَقْرَأْ هُوَ صَلٰوتُهٗ بَاطِلَةٌ (مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۲)

"یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین ہیں۔ اہل حجاز میں امام مالک ہیں، اہل عراق میں امام ثوری ہیں۔ اہل شام میں امام اوزاعی ہیں۔ اہل مصر میں امام لیث ہیں۔ ان میں سے کسی نے ایسے شخص کی نماز کو باطل نہیں کہا جس نے جہری نماز میں امام کی اقتداء کی اور قرأت نہ کی"۔

بعض حنفیہ [1] نے علامہ کی عبارت سے (قَرَأَ اِمَامُهٗ) امام پڑھ رہا ہو کا جملہ حذف کر دیا ہے۔ پھر امام احمد بن حنبل سے یہاں اوزاعی اور لیث کا نام بھی نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ امام ابن عبدالبر نے ان دونوں سے فاتحہ کی فرضیت نقل کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو ان کے اس قول کا علم نہیں۔ اگر امام احمد کے قول کا یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ خاص (صَلٰوتُهٗ بَاطِلَةٌ) اس کی نماز باطل ہے۔

کسی نے نہیں کہا ہے تو اس سے مدعیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقتدی پر قرأت کے فرض ہونے کے لئے ان خاص لفظوں کی ضرورت نہیں۔ اگر ان کا یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ یا اس کا ہم معنی لفظ بھی ان سے مروی نہیں تو یہ غلط ہے اور واقعہ کے خلاف ہے

---

[1] احسن الکلام ص ۲۴۔

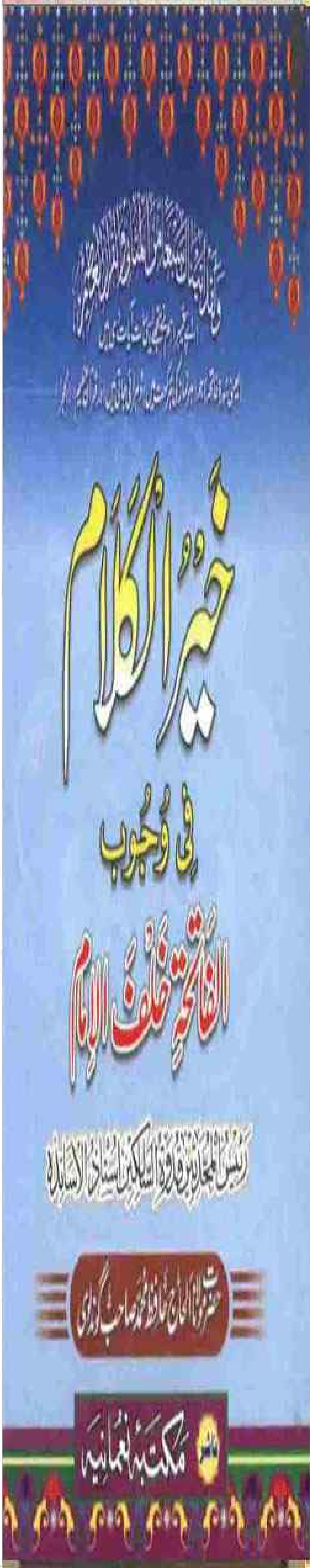

انھوں نے چار تکبیریں کہیں، پھر چوتھی تکبیر کے بعد ٹھہرے، کہتے ہیں کہ میں نے قوم سے سنا صفوں کے کناروں سے سبحان اللہ کہتے تھے۔ پھر کہا کیا تمھارا خیال تھا کہ میں پانچ تکبیریں کہوں گا؟ انھوں نے کہا واقعی ہم کو اس کا خطرہ تھا، کہا میں ایسا نہ کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ چار تکبیریں کہہ کر کچھ ٹھہرتے، پھر جو اللہ چاہتا کہتے، پھر سلام پھیرتے۔

اس کے بعد تیسری دلیل مبسوط سرخسی کی کتاب سے دیتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جنازہ پر آئے اور جنازہ ہو چکا تھا تو آپ نے فرمایا:

"إن سبقتموني بالصلاة عليه، فلا تسبقوني بالدعاء له"[1]

اگر تم جنازہ مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو اب دعا کے ساتھ مجھ پر سبقت نہ کرو۔

اولاً: تو یہ مبسوط سرخسی کوئی حدیث کی کتاب نہیں۔

ثانیاً: اس اثر میں یہ ذکر نہیں کہ یہ دعا جنازہ کے متصل بعد تھی، جب تک دوسرے ادلہ سے جنازہ کے متصل دعا کا مشروع ہونا ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک اس حدیث کو دفن کے بعد والی دعا پر محمول کیا جائے گا۔

اب ہماری تحریر بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور نے استدلال میں غلطی کی ہے یا پھر مغالطہ دیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ مذکور شخص نے دین میں تحریف کی ہے اور جو دین میں تحریف کرے وہ جہنمی ہے، اس لیے مذکور شخص جہنمی ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ شخص مذکور پر فتوی صادر کریں، بلکہ اس کا طرز استدلال بیان کرنا مقصود ہے کہ ایسا طرز استدلال ٹھیک نہیں، ایسے استدلال سے مغالطہ عامۃ الورود کی طرح ہر شخص وفرقہ کو ناری وغیرہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اس شخص کی مثال بعینہ آج کل کے بعض متشدد اہلحدیث بلکہ غالی ظاہریوں کی طرح ہے۔ جو کہتے ہیں کہ حنفی چونکہ فاتحہ نہیں پڑھتے تو ان کی نماز نہ ہوئی، جب نماز نہ ہوئی تو بحکم حدیث "من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر"[2] (جو عمداً نماز چھوڑے وہ کافر ہے) وہ کافر ہوئے، اس قسم کی روش سے اہل علم کو بچنا چاہیے، آپس میں اتفاق واتحاد کی کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] المبسوط (٢/ ٦٧)، طبع دار المعرفة، بيروت۔

[2] ضعیف. المعجم الأوسط للطبراني (٢/ ٢٩٩) ان الفاظ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ابو جعفر رازی ضعیف ہے۔ (التقریب: ١١٢٦) نیز دیکھیں: الضعيفة (٢٥٠٨) البتہ یہ الفاظ "العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر" صحیح ہیں۔ صحيح الترغيب (١/ ٣٦٦)

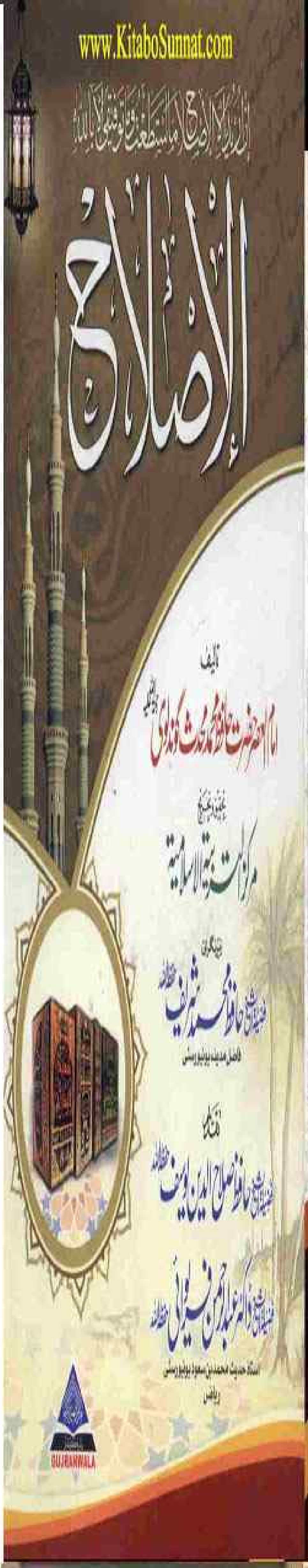

امام کا سترہ مقتدی کیلئے کافی ہو سکتا ہے تو امام کی قرآت کیوں نہیں؟

⌘ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن نکلے اور سامنے برچھی گاڑنے کا حکم دیا، پھر اس کی طرف نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔'' [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب سترۃ الإمام سترۃ من خلفه : ٤٩٤۔ مسلم : ٥٠١]

⌘ بعض لوگ سترے کو بالکل اہمیت نہیں دیتے اور مسجد میں آگے جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صفوں بلکہ دروازے کے قریب نماز پڑھنے لگتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اگلی صف میں، یا کسی کونے میں، یا کم از کم گزرنے کی جگہ سے ہٹ کر نماز ادا کرنی چاہیے۔

امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے:

⌘ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے: ''سُتْرَةُ الْاِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ'' [بخاری، قبل الحدیث : ٤٩٣] ''امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے۔'' اس کے تحت وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی وہ حدیث لے کر آئے ہیں جس میں ہے کہ وہ صف کے بعض حصے سے گزرے تھے اور دو حدیثیں مزید۔

⌘ اگر امام کے سامنے سترہ ہے تو اس کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں، چاہے مقتدیوں کے آگے کوئی سترہ نہیں۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب سترۃ الإمام سترۃ من خلفه : ٤٩٥۔ مسلم : ٥٠٣]

⌘ بعض صف کے آگے سے گزرنا جائز ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر منیٰ میں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھا رہے تھے، میں بعض صف کے آگے سے گزرا، پھر میں نیچے اترا، گدھی کو چھوڑا اور صف میں شامل ہو گیا اور مجھ پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب سترۃ الإمام سترۃ من خلفه : ٤٩٣۔ مسلم : ٥٠٤]

نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ:

⌘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آمین آهسته کهنا مسنون هے:

سوال: سنی حضرات آمین آہستہ کہتے ہیں کیا اس پر کوئی دلیل ہے؟

جواب: جی ہاں! ہمارے پاس دلیل کیا دلائل موجود ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں!!!

1- آمین دعا ہے گیارہویں پارہ میں ''وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ'' موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی لیکن قبولیت کے بیان میں ہے ''قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا'' تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ دراصل موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کی ''آمین'' کو بھی ''دعا'' کہا ہے۔

(تفسیر درمنثور ج3 ص315، تفسیر ابن کثیر ج1 ص31 تفسیر خازن ج2 ص306)

اور بخاری ج1 ص107 میں ہے قَالَ عَطَاء: آمِیْنْ دُعَآءٌ حضرت عطا تابعی نے فرمایا آمین دعا ہے۔ تفسیر خازن ج2 ص306 میں ہے اس کا معنیٰ ''اَللّٰھُمَّ اِسْتَجِبْ'' اے اللہ! قبول فرمایئے۔ یعنی معنیٰ بھی دعا والا اور دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً'' اپنے رب سے دعا کرو عاجزی کے ساتھ اور آہستہ۔ لہٰذا آمین چونکہ دعا ہے تو قرآن کے اس حکم کے مطابق آہستہ ہونی چاہیے امام فخر الدین رازیؒ شافعی مسلک رکھتے ہیں جن کے ہاں آمین جہراً (بلند آواز سے) کہنا افضل ہے اس کے باوجود امام موصوفؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آمین بلند آواز سے کہنا افضل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آمین میں دو احتمال ہیں یا دعا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ پس اگر دعا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول ''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً'' کی وجہ سے آمین آہستہ کہنا واجب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً'' کی وجہ سے بھی آمین میں اِخفاء واجب ہے اور اگر واجب نہ ہو تو کم از کم مستحب ضرور ہے اور ہم بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر؛ ج13 ص131)

2- صحیح مسلم ج1 ص176 میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب قاری (امام) غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو اس کے مقتدی آمین کہیں۔ پس جس کی آمین آسمان والوں کی آمین کے موافق ہوئی اس کے

سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' فرشتوں کی آمین آہستہ ہوتی ہے کبھی کسی نے فرشتوں کی آمین کی گونج نہیں سنی موافقت تبھی ہوگی کہ وقت بھی ایک ہو اور آہستہ کہی جائے۔

3- ابوداؤد ج 1 ص 113 ترمذی ج 1 ص 59 حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سکتے کرتے (یعنی دو جگہ کچھ آہستہ کہتے) ایک جب تکبیر تحریمہ کہتے (یہ سکتہ اس لیے تھا کہ اس میں ثناء پڑھتے) دوسرا جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ سے فارغ ہوتے (یہ دوسرا سکتہ اس لیے تھا کہ اس میں آمین کہتے)

4- حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ پڑھ چکے تو آمین کہا اور آمین میں اپنی آواز کو آہستہ کیا۔''

(مسند احمد؛ ج 4 ص 316، دارقطنی؛ ج 1 ص 334 مستدرک حاکم؛ ج 2 ص 332 سنن بیہقی؛ ج 2 ص 57 ترمذی؛ ج 1 ص 58)

5- حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین، اللھم ربنا لک الحمد.''

(کنز العمال؛ ج 8 ص 274، البنایہ؛ ج 1 ص 620، محلی ابن حزم؛ ج 2 ص 209)

6- ابو وائلؒ کہتے ہیں: ''حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں اعوذ باللہ اور آمین میں اونچی آواز نہیں کرتے تھے۔''

(طحاوی شریف؛ ج 1 ص 140، الجوہر النقی؛ ج 1 ص 48)

7- حضرت ابو وائلؒ کہتے ہیں: ''حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بسم اللہ، اعوذ باللہ، اور آمین میں اونچی آواز نہیں کرتے تھے۔''

(معجم طبرانی؛ ج 9 ص 263)

8- حضرت ابراہیم نخعیؒ تابعی کا فتوی یہ ہے:

''پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: سبحانک اللھم، اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین، ربنا لک الحمد.''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج 2 ص 87، مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج 2 ص 536)

فائدہ: سنی حضرات اور غیر مقلدین کے درمیان اصل اختلاف یہ ہے سنی حضرات کہتے ہیں کہ ان دلائل کی وجہ سے آمین بلند آواز سے کہنے کا طریقہ متروک ہو گیا جبکہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخیر زندگی تک ہمیشہ آمین اونچی کہی جاتی رہے۔ لہذا اصل

جھگڑا دوام اور ترک کا ہے تو غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ آمین بالجہر کے دوام پر دلیل پیش کریں۔

غیر مقلدین کا دعویٰ اور عمل:

1- امام ہمیشہ فرضوں کی سترہ رکعتوں میں سے گیارہ رکعات میں آمین آہستہ کہتا ہے اور چھ رکعات یعنی دو مغرب دو عشاء دو فجر میں ہمیشہ بلند آواز سے کہتا ہے۔

2- مقتدی ہمیشہ گیارہ رکعات میں آمین آہستہ اور چھ رکعات میں، اگر مدرک ہو یعنی پوری نماز امام کے ساتھ پالے تو آمین بلند آواز سے کہتا ہے اور اگر مسبوق ہو تو آمین آہستہ کہتا ہے۔

3- منفرد تمام رکعات میں آمین آہستہ کہتا ہے۔

4- امام، مقتدی اور منفرد سنت و نفل میں ہمیشہ آمین آہستہ کہتے ہیں۔

5- آمین بلند آواز سے کہتے ہیں باقی اذکار یعنی ثناء، تعوذ، تسمیہ، رکوع وسجود کی تسبیح، تشہد، درود شریف آہستہ کہتے ہیں۔

اگر غیر مقلدین اپنے اس عمل و دعویٰ پر صحیح، صریح، مرفوع اور متصل غیر معارض کوئی ایک حدیث پیش کر دیں جس میں ان کے اس عمل پر دوام کی صراحت ہو اور اس حدیث کی صحت اور ہمارے پیش کردہ دلائل کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ان کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

☆☆☆

شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد

آہستہ آمین کی صرف ایک ضعیف روایت ہے۔ صحیح کوئی نہیں؟

اگر کوئی آہستہ آمین کہے تو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں

(اس کہتے ہیں دال میں کالا)

کے اختیار میں ہے، مگر تحقیق ماشاء اللہ ایسی ہوگئی ہے، کہ شاید و باید۔

اور آمین کے مسئلہ میں بھی یہ بات ہے، کہ جہر کی حدیثیں تو ایسی موجود ہیں، جو صحت کو پہنچ گئی ہیں، اور خفیہ آمین کی کوئی حدیث بھی ایسی موجود نہیں ہے، جو صحت کو پہنچ گئی ہو، چنانچہ ابوداؤد مطبوعہ قدیم شاہدرہ جلد اول صفحہ ۱۳۴ میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہ صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجہر بامین، یعنی وہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین جہر سے کہی، نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ لفظ ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے آمین کہتے تھے، کہ پہلی صف میں سے قریب کے لوگ سن لیتے تھے، اور ابن ماجہ کا یہ لفظ ہے، کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے، اور آمین کی آواز سے مسجد میں گونج ہو جاتی تھی، اس حدیث کے بعض راوی ضعیف ہیں، لیکن ایسا راوی ایک بھی نہیں ہے، کہ اس کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہو، دیکھو کتب اسماء الرجال، اور دارقطنی نے بھی آمین بالجہر کی حدیث کو روایت کیا ہے، اور کہا کہ سند اس کی حسن ہے، اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے سند اس کی صحیح ہے، اور پر شرط بخاری و مسلم کے، اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا کہ حسن صحیح ہے، دیکھو سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبوعہ فاروقی جلد اول صفحہ ۱۰۸، اور نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ و التلخیص الحبیر صفحہ ۸۹ وغیرہ، اور صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۹۸ میں عطار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ ابن زبیر وغیرہ و سوا اول اور اماموں کا مکہ معظمہ میں یہ طریق دیکھا ہے، کہ امام اور مقتدی زور سے آمین کہا کرتے تھے، جس سے مسجد حرم گونج جاتی تھی، اور آہستہ آمین کہنے کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں آئی جس کو حفاظ اور ائمہ حدیث نے صحیح کہا ہو، اسی لئے مولانا بحر العلوم حنفی لکھنوی نے اپنی کتاب ارکان مطبوعہ علوی صفحہ ۶۷ میں لکھا ہے، کہ آہستہ آمین کہنے کے بارے میں سوائے ایک حدیث ضعیف کے کوئی روایت نہیں آئی، اور جب یہ صورت ہے، کہ جہر کی روایتیں صحیح سند سے موجود ہیں، اور آہستہ کی کوئی روایت صحیح نہیں، تو واسطے اولی اور افضل تو یہی ہوا، کہ آمین جہر سے کہی جاوے، اور اگر کوئی آہستہ بھی کہہ لے، تو خیر اس پر کچھ اعتراض نہ کیا جاوے، اس موقع میں یوں کہنا ٹھیک نہیں ہے، کہ جس کا جی چاہے جہر سے کہے، جس کا جی چاہے آہستہ کہے کیونکہ یہ ایسے موقع پر ہو سکتا ہے، جہاں دونوں طرف کی روایتیں ایک درجہ کی ہوں، یا بہت تھوڑی کمی بیشی ہو، ہاں اگر

نواب صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلد تسلیم کرتا ہے

اس معاملے میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ آمین جہری کہا جائے اور امام بھی آمین کہے یا نہیں...... اور پھر لکھتے ہیں دونوں طرف کے علماء کے پاس اپنے موقف کے دلائل موجود ہیں۔

منها ما تقدم فی موضعه ومنها ما ذكرناه فی فتح البيان والحق انها متعينة فی الصلاة لا تجزئ الا بها سواء كان المصلی اماما او مؤتما و من ادرك الركوع ولم يقرأها فليس بمدرك للركعة على الراجح ﴿ وصل ﴾ السنة الصحيحة الصريحة الثابتة تواترا قد دلت على مشروعية التأمين بعد قراءة الفاتحة فمن ذلك ما اخرجه مسلم وابو داود والنسائی وابن ماجة عن ابی موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قرأ يعنی الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين يجبكم الله واخرج احمد وابو داود والترمذی عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين مد بها صوته ولابی داود رفع بها صوته وقد حسنه الترمذی واخرجه ايضا النسائی وابن ابی شيبة وابن ماجة والحاكم وصححه وفی لفظ من حديثه انه صلى الله عليه وسلم قال رب اغفر لی آمين اخرجه الطبرانی واخرج الشيخان واهل السنن واحمد وابن ابی شيبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فان من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وزاد الجرجانی فی اماليه وما تأخر وفی الباب احاديث بين صحيح منها وضعيف وآمين اسم فعل بمعنى اللهم اسمع واستجب لنا وتقبل قاله القرطبی وقيل كذلك فليكن وقيل رب افعل و رواه جويبر مرفوعا عن ابن عباس فان ثبت كان هو المتعين المصير اليه وليس من القرآن اجماعا ﴿ وصل ﴾ اختلف اهل العلم فی الجهر بها وفی ان الامام يقولها او لا والحق ثبوت الجهر بها وقول الامام بها وقد وردت الادلة فی الجانبين لكن الراجح ما اشرنا اليه ﴿ وصل ﴾ اعوذ بالله ان اكون من الجاهلين ﴿ وصل ﴾ قوله تعالى ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك وأرنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم هذا الدعاء فی سورة البقرة فی الم وهو من ادعية ابراهيم واسماعيل عليهما السلام عند بناء البيت وقد ترك على القارئ قوله ربنا واجعلنا الى قوله مناسكنا ولا وجه لتركه ﴿ وصل ﴾ قوله تعالى ربنا آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار هذا فی البقرة فی سيقول واختلف فی تفسير الحسنتين على اقوال مما لا طائل تحته وحسنة نكرة فی سياق الدعاء فيحتمل كل حسنة من حسنات الدنيا والآخرة والآية من جوامع الكلم وتقدم فی موضعه ان النبی صلى الله عليه وسلم كان يدعو بها كثيرا وفی الكتاب بعد اولئك لهم نصيب مما كسبوا ای من الاعمال ای من ثوابها ومن جملة اعمالهم الدعاء فما اعطاهم الله بسببه فهو مما كسبوا ﴿ وصل ﴾ قوله تعالى ربنا افرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين هذا فی البقرة فی سيقول والداعون به هم جميع من كانوا مع طالوت من المؤمنين عند البروز لجالوت وجنوده وقد اخبر سبحانه عن حال هؤلاء بقوله بعد ذلك فهزموهم باذن الله وقتل داود جالوت ﴿ وصل ﴾ سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير هذا فی البقرة فی تلك الرسل والقائلون به هم الرسول والمؤمنون ﴿ وصل ﴾ ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين

نزل الابرار

بالعلم المأثور

من

الادعية والاذكار

للعلامة الزمان • بدر العلم والفضل والعرفان • التقی ابر الائمة المجتهدين • الشاد بتآليفه ازر هذا الدين • الجدير بان تشد اليه الرحال • وتضرب آباط الابل لاخذ العلم عنه فی كل حال • البحر الذی ليس له ساحل • الحبر الذی عاده قس البلاغة باقل • من اشتهر بالمجد والفخار • اشتهار الشمس فی رابعة النهار • الامام الهمام الملك الجليل المعظم المفضال • عالی الجاه بهادر حضرة سيدنا السيد محمد صديق حسن خان ملك بهوپال •

الطبعة الثانية

الناشر
دار المعرفة
للطباعة والنشر
بيروت - لبنان

غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ

لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہری قرآت نماز میں آمین ہمیشہ بلند آواز سے کہتے تھے (بخاری) حالانکہ یہ بلکل جھوٹ ہے اور بخاری میں بھی ایسی کوئی روایت نہیں۔

آپ کا فرمان ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔ (دار قطنی ' بیہقی)

بلند آواز سے آمین کہنا :

اور آپ ﷺ جہری قرأت و نماز میں "آمین" ہمیشہ باآواز بلند کہتے تھے۔ (بخاری ' ترمذی 'ابوداؤد ' بیہقی ' دار قطنی وغیرھم)

اور آپ ﷺ نے آہستہ آمین کبھی نہیں کہی ' اور اس بارے میں کوئی بھی صحیح حدیث مروی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی آمین تو عورتوں کی صفوں میں بھی سنی جاتی تھی (طبرانی) اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے آہستہ آمین کہنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں عطاء بن ابی رباح تابعی سے روایت لائے ہیں کہ میں نے کعبۃ اللہ میں دو سو اصحاب الرسول ﷺ سے باآواز بلند "آمین" کہتے ہوئے سنا ہے۔ اور جو لوگ باآواز بلند آمین کہنے پر ناراض ہوتے ہیں یہ حقیقت میں سنت کے دشمن ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں یہودی باآواز بلند آمین کہنے پر ناراض ہوتے تھے (ابن ماجہ) اور آپ ﷺ نے اس پر حسد کرنے والوں کو یہودی کہا ہے (ابن السکن) اور آپ ﷺ سے تین مرتبہ آمین کہنے کے بارے میں طبرانی میں پختہ راویوں سے ایک روایت منقول ہے جیسا کہ صاحب مجمع الزوائد کا کہنا ہے ' مگر یہ شاذ ہے ' اس لئے ایک مرتبہ کہنے میں ہی احتیاط ہے جیسا کہ عام روایتوں میں صرف آمین کہنے کا ذکر ہے۔ دو یا تین مرتبہ کہنے کا ذکر نہیں ہے۔

نیز مشہور حنفی عالم عبدالحی لکھنوی صاحب مؤطا محمد کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ حق اور انصاف کی بات تو یہی ہے کہ دلیل کے لحاظ سے آمین بالجہر کہنا ہی زیادہ قوی ہے اور السعایۃ میں لکھا ہے کہ میں نے کئی سال کوشش کی لیکن مجھے کوئی بھی ایسی صحیح حدیث

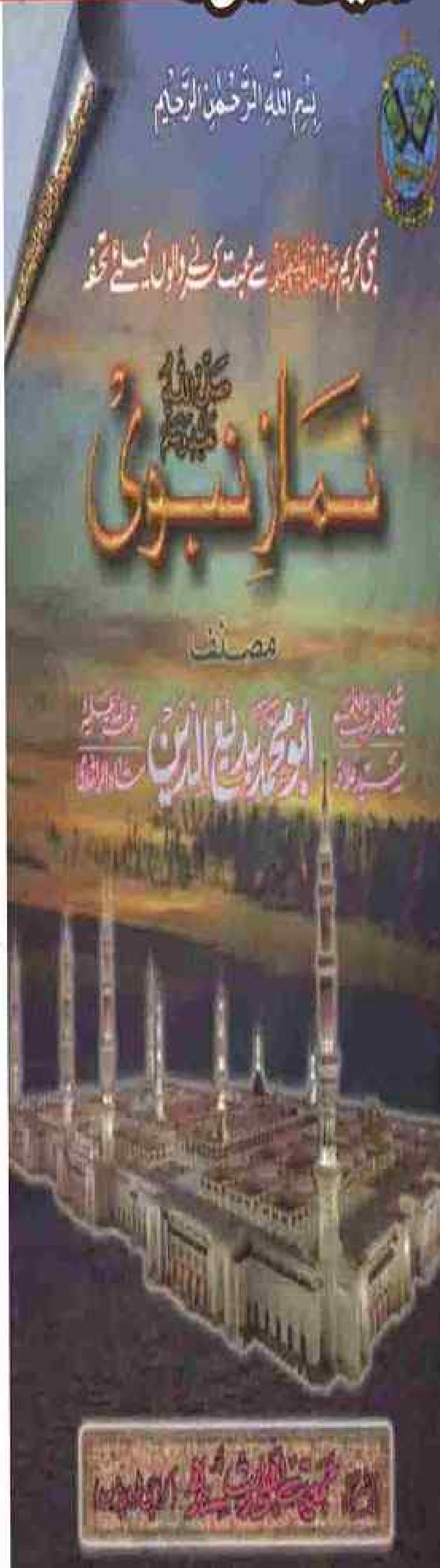

اکٹھا آمین کہنا مستحب ہے۔

ان شاء اللہ ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسرا فائدہ:

اور اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ امام جن نمازوں میں جہری قرأت کرتا ہے ان میں آمین بھی بلند آواز سے کہے گا اگر آمین جہری نہیں تو ایسی صورت میں لوگوں کی آمین کو امام کی آمین کے ساتھ معلق کیوں کیا گیا ہے؟

چوتھا فائدہ:

اس حدیث میں مقتدی کو امام کے پیچھے مطلق طور پر آمین کہنے کا حکم ہے اگرچہ مقتدی ذاتی طور پر جو فاتحہ پڑھ رہا ہے اس کے درمیان میں ہی کیوں نہ ہو، اگر امام نے ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہا تو مقتدی آمین کہے گا دو مشہور وجوہات میں سے ایک مشہور وجہ یہی ہے۔

پانچواں فائدہ:

نبی محترم ﷺ کی حدیث کی پیروی کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ کے فوراً بعد بغیر کسی زیادتی کے آمین پر اقتصار کرنا مستحب عمل ہے۔

چھٹا فائدہ:

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سماعت کے حوالہ سے ایسی قوت ادراک عطا فرمائی ہے کہ وہ آسمان پر ہونے کے باوجود بھی زمین پر بنو آدم جو بھی گفتگو کرتے ہیں ان کو سنتے ہیں۔

اور اس کی تفصیل بحث کے آخر میں ان شاء اللہ آئے گی۔

ساتواں فائدہ:

اور اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ جب لوگوں کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت کر جائے تو ان کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

خاتمہ:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق کے ساتھ میں نے اس بحث کو مکمل کر لیا ہے جو ''جہری نمازوں میں مقتدیوں، امام اور منفرد کے آمین جہراً'' کہنے کے بارہ میں، میں نے لکھی ہے اور اس بحث کو لکھتے وقت جو نتائج میں نے حاصل کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

* ......حدیث اور فقہ وغیرہ کے نئے اور پرانے مصادر سے استفادہ کرنا۔
* ...... حدیث کے تمام مصادر سے حدیث کی تخریج کے فائدہ کی پہچان جن میں مختلف الفاظ اور متعدد سندوں سے مروی ہیں۔
* ......ان مسائل میں تقویہ حاصل ہوئی ہے جن کو ہم نے دوسری فصل میں بیان کیا ہے ان آثار کے ساتھ جن آثار کا تذکرہ ہم نے دوسری مبحث کی پہلی فصل میں کیا ہے۔
* ...... اور جہری نمازوں میں امام کا بلند آواز سے آمین کہنا اس مسئلہ میں راجح موقف ثابت ہوا ہے اور وہ ہے جہراً آمین کہنا نہ کہ سراً، اسی طرح ہی نبی اکرم ﷺ سے دلائل صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔
* ......مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین کہنا، اس مسئلہ میں راجح موقف یہ ہے کہ مقتدی بلند آواز سے آمین کہے گا نہ کہ سری آواز سے، اس پر بڑے بڑے واضح دلائل ہیں اور آثار ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔
* ......اور منفرد جہری نماز میں آمین بھی جہراً ہی کہے گا۔
* ......اور لوگوں کے آمین کہنے کا موافق ہونا فرشتوں کے آمین کہنے سے اس موافقت سے مراد قولی اور زمانے میں موافقت ہے، کیونکہ ظاہر پر حکم لگانا آسان اور سہل ہے باطن پر حکم لگانے سے، کیونکہ باطن پر حکم لگانا انتہائی مشکل کام ہے۔
* ......مقتدیوں کے آمین کہنے کی جگہ کی تعیین کے حوالہ سے جو بات واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں کا اکٹھا ایک ہی دفعہ آمین کہنا زیادہ راجح ہے تا کہ فرشتوں

اور حنابلہ نے بھی منفرد کو امام اور مقتدی پر قیاس کرتے ہوئے یہی موقف اپنایا ہے۔[1]

راجح موقف:

میں اپنے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں:

''میرے لیے جو راجح موقف ظاہر ہوا ہے کہ منفرد آدمی جب اکیلا جہری نماز ادا کرے گا تو اس میں قراۃ بھی بلند آواز سے کرے گا اور آمین بھی جہراً کہے گا۔ اور سری نمازوں میں قرأت مخفی کرے گا اور آمین بھی مخفی آواز سے کہے گا۔'' واللہ اعلم بالصواب

[1] أبو اسحاق المؤرخ الحنبلي: المبدع في شرح المقنع، جز: 1/440؛ ومنصور البهوتي: الروض المربع بشرح زاد المستقنع، جز: 1/57

قال آمین واخفی بہا صوتہ وھو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجہ ضعفہ لکن الامر فیہ سہل فان السنۃ التامین اما الجھر والاخفاء فندب کما فی الارکان الاربعۃ۔

حاصل کلام کا یہ ہے، کہ آمین بالجہر نماز جہریہ میں امام شافعی و امام احمد و جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابو حنیفہ و دیگر اہل کوفہ کے نزدیک آمین نماز جہریہ میں بسر مطلق جائز ہے اور استدلال جمہور کا حدیث وائل سے ہے۔ واستدل الجمھور مع ما فی حدیث الباب بما رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلی غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول کذا فی المحلی شرح الموطا لمولانا سلام اللہ الحنفی ومولانا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ تنویر العینین می فرمایند کہ جہر آمین گفتن اولٰی است از آہستہ گفتن وعبارتہ ھکذا والتحقیق ان الجھر بالتامین اولی من خفضہ۔ انتھی کلامہ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح — محمد عبد القادر

المجیب مصیب ولہ اجر نصیب خادم عبد اللہ اسمٰعیل محمد اسمٰعیل۔

محمد اسمٰعیل

فائدہ:۔ در مستدرک حاکم است حدثنا ابوبکر احمد بن سلمان الفقیہ ببغداد ثنا الحسن بن مکرم البزار ثنا روح بن عبادۃ ثنا شعبۃ واخبرنی عبد الرحمن بن الحسن القاضی بھمدان ثنا ابراھیم بن الحسین بن دیزیل ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبۃ عن عاصم بن سلیمان ان ابا عثمان النھدی حدثہ ان بلال انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبقنی بآمین ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وابو عثمان النھدی مخضرم قد ادرک الطائفۃ الاولی من الصحابۃ وھذا بخلاف مذھب احمد بن حنبل فی التامین لحدیث ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین وفقہاء اھل المدینۃ قالوا بحدیث سعید وابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ اذا

وہ حدیث ضعیف ہے لیکن معاملہ آسان ہے، آمین کہنا سنت ہے البتہ آہستہ یا بلند کہنا مستحب ہے، مولانا اسمٰعیل شہید تنویر العینین میں فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنے سے بلند آواز سے کہنا بہتر ہے۔

فائدہ:۔ مستدرک حاکم میں ہے، بلال کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تسبقنی بآمین" یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے، گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا امام احمد بن حنبل ابو ہریرہ کی حدیث کی بناء پر بلند آواز سے

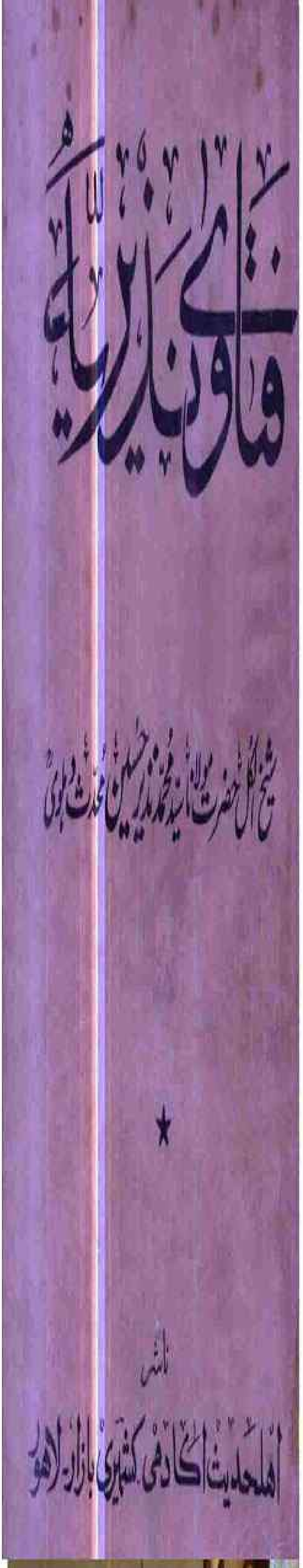

رفع یدین پر دوام یا ترک

سوال: کیا سنی حضرات کے پاس ترک رفع یدین کی کوئی دلیل ہے؟

جواب: دلائل تو بہت ہیں ہم یہاں چند احادیث لکھتے ہیں:

1- ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اِنَّہٗ قَالَ اَلا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً۔''

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ پڑھ کر دکھاؤں؟ سو آپ نے نماز پڑھی پس آپ نے صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔''

(نسائی شریف؛ ج1 ص161)

2- ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اَلا اُخْبِرُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَقَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ لَمْ یُعِدْ۔''

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی خبر دوں؟ سو کھڑے ہوئے پس پہلی مرتبہ رفع یدین کیا پھر دوبارہ نہ کیا۔''

(نسائی شریف؛ ص158 ج1)

3- ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اَلَا اُرِیْکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً.''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص236)

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ دکھاؤں؟ پس آپ نے رفع یدین نہ کیا مگر ایک ہی مرتبہ۔''

4- ''عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَلَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِّنْ ذَالِکَ۔''

(مصنف عبدالرزاق؛ ج2 ص71)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین نہ کرتے تھے مگر نماز شروع کرتے وقت اور دوبارہ رفع یدین نہ کرتے۔'' ہماری یہ دلیل لا الٰہ الا اللہ کی طرح ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ اسی طرح نہیں رفع یدین کرتے تھے مگر شروع میں پس سوائے شروع والے رفع یدین کے باقی رکوع وسجود والے رفع یدین کی نفی ہوگئی۔

5- براء بن عازبؓ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر کہتے تو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے پھر اس نماز میں دوبارہ رفع یدین نہ کرتے۔''

6- جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے یعنی نماز باجماعت تو ہم سلام کے وقت دونوں طرف ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: ''تم کیوں اشارہ کرتے ہو؟ گویا کہ یہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں۔''

(مسلم شریف؛ ج1 ص 81)

پس جیسے قرآن نے ماں باپ کو اُف کہنے سے منع کیا تو گالی دینا اور جوتے مارنا بطریق اولی منع ہے اسی طرح جب نماز کے بالکل اخیر میں سلام کے وقت رفع یدین کرنا منع ہے تو نماز کے اندر رکوع کے وقت رفع یدین بطریق اولی منع ہوگا۔

7- جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف نکل کر آئے اور صحابہ کرامؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا (صحابہ کرام کی یہ انفرادی نماز تھی) تو فرمایا: ''کیا وجہ ہے میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھ رہا ہوں گویا کہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ نماز میں سکون کرو۔''

(مسلم شریف ج1 ص 181)

8- ''كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ اَصْحَابُ عَلِيٍّ لاَ يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لاَ يَعُوْدُوْنَ.''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص 267)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے تمام شاگرد رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

9- ''عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ اِبْنَ عُمَرَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ.''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص 268)

مجاہد تابعیؒ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نہیں دیکھا کہ وہ رفع یدین کرتے ہوں مگر نماز کے شروع میں۔''

10- ''عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كَاَنِّيْ بِقَوْمٍ يَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ۔''

(الجامع الصحیح مسند الامام الربیع: ج 1 ص 45)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''گویا میں ایک قوم دیکھ رہا ہوں جو میرے بعد آئے گی نماز میں اس طرح رفع یدین کرے گی گویا کہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ رفع یدین کو ہی کل دین سمجھ لیں گے اور رفع یدین کی آڑ میں خود گمراہ ہونگے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ خود بد عقیدہ ہوں گے اور دوسروں کو بد عقیدہ بنائیں گے اس کا مصداق امام شافعی واحمد نہیں کہ وہ صحیح العقیدہ لوگ ہیں عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''کہ جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھے تو نماز کے شروع میں اور نماز کے اندر رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نماز کے اندر رفع یدین چھوڑ دیا اور نماز کے شروع والا رفع یدین کرتے رہے۔''

(اخبار الفقہاء والمحدثین؛ص 214)

فائدہ: چونکہ تکبیر تحریمہ، قنوت، عیدین والے رفع یدین کے ساتھ یعنی اللہ اکبر کہا جاتا ہے اس لیے وہ باقی رکھا گیا اور جو رفع یدین ذکر سے خالی تھے ان کو سرکش گھوڑوں کی دمیں فرما کر منع کر دیا گیا ہے اور یاد رہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ذکر اللہ نہیں بلکہ کلام الناس ہے اسی لیے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

غیر مقلدین کا دعویٰ اور عمل:

1- غیر مقلدین چار رکعت نماز میں 10 جگہ رفع یدین کرتے ہیں پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں ہر چار رکوع سے پہلے اور بعد۔

2- اٹھارہ (18) جگہ رفع یدین نہیں کرتے دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں 8 سجدوں میں سے ہر سجدہ سے پہلے اور بعد۔

3- دس (10) جگہ رفع یدین فرض ہے اور اٹھارہ (18) جگہ رفع یدین منع ہے۔

4- غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر زندگی تک ہمیشہ ہمیشہ یہ عمل کرتے رہے یعنی دس (10) جگہ رفع یدین کرنا اٹھارہ (18) جگہ نہ کرنا۔

5- رفع یدین کے بغیر نماز باطل ہے۔

نوٹ نمبر 1: اگر غیر مقلدین اپنا یہ عمل و دعویٰ ایک قولی اور ایک فعلی صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث سے ثابت کر دیں اور حدیث کی صحت بھی امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے

بغیر محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

نوٹ نمبر 2: غیر مقلدین اپنی اردو بخاری ج 1 ص 468، باب 474، حاشیہ 4 کے مطابق عشرہ مبشرہ کی نام بنام رفع یدین کی دس حدیثیں اور پچاس صحابہ سے نام بنام پچاس حدیثیں جو رافضیوں کے قرآن کی طرح غار میں چھپی ہوئی ہیں تحریر کردیں اور ان کی صحت امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کردیں ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

سوال: ترمذی ص 59 ج 1 میں ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ ترک رفع یدین کے قائل تھے؟ سوال یہ ہے کہ ان کی نمازیں درست ہیں یا باطل؟ وہ بے نمازی تھے یا نمازی؟ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع ہوئے یا غیر متبع؟ وہ اہل حق ہوئے یا اہل باطل؟ وہ جنتی ہوئے یا دوزخی؟

☆☆☆

فتاویٰ علمائے حدیث

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

کیوں ہو چکی ہے؟ ۳ اگر مجروح ہے تو سنن نسائی کی دو روایتوں (جو من طریق شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ مروی ہیں) ان پر کیا جرح ہے؟ مبہم جرح نہ ہو۔ اصل بنا انہی دو حدیثوں کو وہ شخص قرار دیتا ہے۔ باقی سب روایات ان ہی کی تائید میں ہیں۔ عام اس سے کہ صحاح سے یا ضعاف سے۔ ۵ رفع یدین منسوخ ہو چکی ہے؟ ۶ اگر منسوخ ہو چکی ہے تو حدیث ناسخ مع الاسناد تحریر فرمادیں؟ ۷ اگر منسوخ نہیں ہوئی تو کون کون سے صحابہ اس پر عامل تھے؟ ۸ اور کون کون سے تابعین اس طرف گئے؟ ۹ کیا اس کے عامل کی اقتداء میں نماز درست ہو سکتی ہے؟ ۱۰ کیا اسکو مردہ سنت قرار دیا جا سکتا ہے؟ ۱۱ جو شخص اس کو زندہ کرے وہ من احیی سنتی الحدیث کا مصداق ہو سکتا ہے؟ ۱۲ جو شخص اس فعل سے ناراض ہو کر اس کی مخالفت کرے، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ کے ساتھ تشبیہ دے، اس کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا بالسنۃ والکتاب لا باقوال العلماء ذوی الانتساب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔ (نوٹ، جواب از راہ کرم بالترتیب نمبروار مفصلاً مع حوالہ مکمل تحریر فرمائیں۔

المستفتی ابو حفص العثمانی الدہلوی از ملتان۔ محلہ قدیر آباد جامع اہل حدیث ۲۱ ۱/۴۶

الجواب۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ عامل رفع بین السجود پر جو دائمًا یہ عمل رکھے معیب نہیں ہے۔ کیوں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت نہیں ہے۔ وکان لا یفعل ذلک فی السجود اس کا نفی ہونا ثابت کرتا ہے اور مطلقاً مانع جو ہو وہ بھی حق پر نہیں ہے۔

۲ حدیث ہذا صحیح ہے۔ متروک العمل نہیں ہے۔

۳ عامل بالسنۃ لوگ وقتاً فوقتاً جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

۴ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے۔ ان دونوں احادیث میں سے کسی حدیث پر کوئی جرح نہیں ہے۔

۵ اس حدیث کا کوئی ناسخ اس وقت تک نظر نہیں آیا۔

۶ اوپر جواب آچکا ہے۔

۷ بعض صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور اسی طرح بعض تابعین نے بھی۔

۸ اوپر جواب آچکا ہے۔

۹ نماز ایسے امام کے پیچھے بلا نکیر جائز ہے۔

۱۰ مردہ سنت اسے کہتے ہیں جس کا کوئی عامل نہ ہو اور اس سنت پر عمل رہا ہو۔

۱۱ اوپر جواب آچکا ہے۔

ہ اس فعل پر ناراض ہونے والا غالی ہے۔ اور محب سنت نظر نہیں آتا۔

ہذا واللہ اعلم   محمد عبدالتواب بقلم خود ملتان تاب اللہ علیہ

جواب سوال ۱ عامل رفع الیدین عند ارادۃ السجدۃ وبین السجدتین مصیب ہے۔ اور مانع مخطی لان المنع وقع علی الامر المشروع وکل منع وقع علی الامر المشروع فہو خطاء۔

جواب سوال ۲ بلا شک حدیث صحیح ہے۔ فتح الباری ملاحظہ ہو۔

جواب سوال ۳ یہ حدیث تغافل یا تساہل کی وجہ سے متروک العمل ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ ترک کی نہیں۔

جواب سوال ۴ اس حدیث میں سوائے تدلیس قتادہ کے اور کوئی جرح نہیں، لکن شعبہ کے قول سے یہ تدلیس مرتفع ہے۔ شعبہ کی عادت تھی کہ قتادہ سے مدلس حدیث کو روایت نہیں کرتا تھا۔

جواب سوال ۵ یہ رفعین منسوخ نہیں، بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرث مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی ہے جس سے نسخ ثابت ہو۔ احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن عمر کا اس رفع کو قبول کرنا بعد روایت منع رفع الیدین عند السجود ادل دلیل ہے۔ کہ رفع بعد منع وارد ہوا ہے۔

جواب سوال ۶-۷-۸ ۔ اس رفعین کے عامل صحابہ کرام سے ابن عمر وابن عباس اور تابعین سے طاؤس اور نافع اور عطاء مجھے معلوم ہیں۔ باقی صحابہ کی موافقت معلوم نہیں تو مخالفت بھی کہیں مروی نہیں۔ علاوہ بریں حدیث بنفسہٖ محتاج عمل عامل نہیں ہوتی۔ قال الشافعی فی الام فاذا کان للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا مخالف له عنده کان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یوافقه لم یزده قوة وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستغن بنفسه وان کان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یخالفه لم التفت الی ما خالفه وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی ان یؤخذ به اھ

جواب سوال ۹ ۔ بلا شک اس رفعین کے عامل کے پیچھے اقتداء جائز ہے۔ اقتداء کو ناجائز کہنے والا جاہل اور اسرار شریعت سے محروم ہے۔

جواب سوال ۱۰-۱۱ بلا شبہ اس کا عامل محی السنۃ المتیتہ ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔ کما ورد فی الحدیث

جواب سوال ۱۲ جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس رفعین سے ناراض ہو اور اس کے عامل کو فرقہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
307/314
www.KitaboSunnat.com

مبتدعہ رافضہ سے تشبیہ دے۔ باوجودیکہ ... حدیث صحیح بھی معلوم ہے تو وہ شخص معاند حق ہے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ

لے کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وقت رکوع کرنے اور رکوع سے اٹھنے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے رفع یدین کرنا سنتوں مؤکدہ سے ہے کہ جن کا تارک لائق عتاب اور عذاب کے ہو جاتا ہے یا سنتوں زائدہ سے ہے کہ جن کا کرنیوالا ثواب کے لائق ہوتا ہے اور تارک اُن کا لائق ملامت اور عتاب کے نہیں ہوتا اگرچہ بہتر نہ کرے جیسا کہ شہید رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسالہ تنویر العینین میں بیان کیا ہے

لے حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قنوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ اختلاف اختلاف مباح سے ہے اور اس کے کرنے والے

54/244 محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الثلاثة وتارة يقرءون خلف الامام بالسر وتارة لا يقرءون وتارة يكبرون على الجنازة سبعا وتارة خمسا وتارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة كما ثبت عنهم ان فيهم من كان يرجع فى الاذان وفيهم من لم يرجع فيه وفيهم من يوتر الاقامة وفيهم من كان يشفعها وكلاهما ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم شيخ الاسلام ابن تيمية. (فتاوىٰ غزنويہ ص۳۶)

سوال: زید حنفی ہے وہ کہتا ہے کہ رفع الیدین کرنا ناجائز ہے بلکہ امام صاحب بھی رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو پھر ہم کیوں کر کریں اور کہتا ہے کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مسلمان عرب نماز پڑھتے تو منافقان عرب اپنی آستین میں بُت بنا کر بحالت قیام رکھ دیتے تھے جو باعث تکلیف ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ لوگ رفعیدین کرتے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین میں تھے اب کرنیکی کیا ضرورت اور امام صاحب کو رفعیدین نہ کرنے نفی میں لاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اور رفع الیدین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زید کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب میں سنت نہیں ہے صحیح، مگر یہ کہنا کہ عرب آستینوں میں بت رکھا کرتے تھے محض بے ثبوت بات ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص۳۳ جلد ۱)

لے اور اسی طرح رفع الیدین کے سنت ہونے سے انکار کرنا بھی دلائل صحیحہ کی رو سے غلط ہے۔

(بقیہ) اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا اور مانند اختلاف تشہد اور اذان اور اقامت کے اور ... اور دونوں فعل ان میں مشہور اور معروف تھے۔ بعض

www.KitaboSunnat.com

ابن مسعودؓ کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفعیدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالاں کہ وہ حدیث[1] بقول عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں اگرچہ بقول تحقیق امام ترمذی حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی، خصوصاً جس حال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے۔ تو دعوے نسخ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے غور سے سنئے: عن ابی حمید الساعدی سمعته وهو فی عشرة من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یقول انا اعلمکم بصلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ان قال ثم یقرء ثم یکبر ویرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع الی ثم سلم قالوا صدقت هکذا کان یصلی (رواه ابوداؤد والدارمی والترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح)

ابو حمید ساعدی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعویٰ کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے کہنے پر اس نے بتلائی تو رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفعیدین کی اور ان دسوں صحابہ کرام نے تصدیق کی کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

یہ روایت اور دس صحابہؓ کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے۔ کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفعیدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ضروری ارکان خصوصاً قومہ جلسہ اعتدال وغیرہ (جن میں لوگ عموماً سستی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ ارکان صلوٰۃ میں سستی کرتے تھے ان) کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیه افضل التحیة والصلوٰة سے ثابت ہو، کسی ایک صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہو سکتا ہے تو یہی ابن مسعودؓ رکوع کے ——— وقت چوں کہ تطبیق کرتے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تو لامحالہ اس وقت جب کہ انہوں نے رفعیدین نہ کی ہوگی، زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھے ہوں گے۔ کیوں کہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب بھی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیئے کہ رکوع

[1] یعنی حدیث مذکور عبداللہ بن مسعود

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ۔۔۔

دونوں پر عمل کرے وہ امام اعظم کے مذہب سے باہر ہو جاتا ہے ۔ یا نہیں؟ الجواب: علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے کیونکہ مختلف اوقات

63/244 محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فعل فلا باس بہ انتہی کلامہ واگر بنظر انصاف پرسی تا رفع در ہر دو موضع از بسیارے صحابہ عظام رضی اللہ عنہ ثابت گردیدہ ۔ بعضے از پنجاہ صحابہ رضی نقل کردہ اند چنانکہ عراقی در شرح تقریب گفتہ و مولوی سلام اللہ حنفی کہ از اولاد امجاد شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہستند در محلی شرح موطا افادہ فرمودہ اند و بعضے از بست و سہ صحابہ روایت کردہ چنانکہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کردہ و نزد بعضے چہار صد خبر و اثر از حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم و صحابہ و سلف رضوان اللہ تعالے عنہم اجمعین دریں باب ورود یافتہ چناں کہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس در سفر السعادت گفتہ است و دعویٰ نسخ آن بے دلیل است کما لا یخفی علی الماہر النبیل ۔

اعلم انہ قد روی الرفع عند الرکوع والرفع منہ غیر ابن عمر و وائل بن حجر و مالک بن الحویرث عند الشیخین و ابوہریرۃ و علی و ابو حمید الساعدی و ابن عباس عند ابی داؤد و انس و جابر و صہیب عند ابن ماجہ و البیہقی و ابو موسیٰ عند الدارقطنی و ابو سعید و سہل بن سعد و محمد بن مسلمۃ و ابو قتادۃ و ابو موسیٰ الاشعری و عمرو اللیثی کما ذکر الترمذی قال الشافعی فی الام یروی ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ عشر من الصحابۃ ویروی عن اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر وجہ و ذکر البخاری انہ رواہ ستۃ عشر رجلا من الصحابۃ و ذکر الحاکم ممن رواہ العشرۃ المبشرۃ و ذکر الولی العراقی انہ تتبع من رواہ من الصحابۃ فبلغوا خمسین رجلا فروی عبد الرزاق عن ابی حمزۃ مولی بنی اسد قال رایت ابن عباس اذا افتتح الصلوٰۃ یرفع یدیہ و اذا رکع و اذا رفع رأسہ من الرکوع

میں رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں طرفین

www.KitaboSunnat.com

ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذالک (متفق علیہ)۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے"۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں، حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا۔ مگر منسوخ کہتے ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں۔ اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعویٰ نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

اس دعویٰ پر حنفیوں کی سردفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اوّل اور ایک دوم درجہ کی ہے اوّل سردفتر حدیث روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو ترمذی میں ہے جس کے الفاظ معہ ترجمہ یہ ہیں۔ قال عبداللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ (ترمذی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اوّل مرتبہ کے رفع یدین نہ کی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع یدین نہ کی اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے ابن مسعود کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ

اہلحدیث علیہ وسلم نے وہ کام کیا اس پر یہ سوال کہ حالت امامت میں کیا حالت اقتدار میں بے جا حجت ہے۔ اس سوال کی صحت نہ قرآن وحدیث سے ہوتی ہے نہ کتب اصول سے کیونکہ علمائے اصول نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی کہ فعل نبوی اقتدار میں ہو یا امامت میں بس جو فعل ثابت ہے وہ ہر حال میں قابل اتباع ہے عدم رفع اور عدم جہر کی روایات صحیح نہیں۔ درصورت صحت بطریق علم اصول مسئلہ بالکل صاف ہے کیونکہ مسنون امر کی تعریف یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلعم نے کبھی ترک بھی فرمایا ہو پس ترک نبوی ماہیت سنت میں داخل ہے کیونکہ متبع سنت کے لئے اس فعل کا ترک کرنا اتباع سنت نہیں بلکہ نقص ثواب ہے مثلاً ہر نماز کے لئے وضو مامور بہ ہے لیکن وضو ہونے کی صورت میں ترک وضو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نماز پڑھنی جائز ہے مگر وضو کرنے کا ثواب نہیں ٹھیک اسی طرح ترک رفع ترک ثواب ہے ترک فعل سنت نہیں فافہم (۹ صفر ۱۳۴۵ھ)

تشریح: سوال میں جو صورت بتائی ہے کہ اقتدار میں حضور صلعم سے فلاں فلاں امور ثابت نہیں لہٰذا وہ قابل عمل نہیں اس پر خدشہ ہے کہ حضور صلعم سے بحالت اقتدار نماز کی تفصیل بھی ثابت نہیں مثلاً پہلے تحریمہ پھر ثنا، پھر پہلا رفع یدین پھر قیام وقرأت پھر رکوع پھر رکوع میں تسبیحات پھر قومہ پھر قومہ کا ذکر سمع اللہ لمن حمدہ یا صرف ربنا لک الحمد پھر دو سجدے اور تسبیحات پھر قعدہ اولیٰ اخریٰ اور تشہد و درود وغیرہ پھر ان امور کا جواب جو ہوگا وہی امور مثلاً رفع یدین ثلاثہ وضو کا ہوگا اصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے قول سے یا فعل سے کسی امر کا ثبوت عمل کے لئے کافی ہے تاوقتیکہ اس کی نفی ثابت نہ ہو اور یہاں تعارض ہے نہیں اس لئے کہ تعارض میں مساوات شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اور بفرض تسلیم قول سائل جب تعارض نہ ہوا تو پھر دونوں صورتیں قابل عمل نہ رہیں لہٰذا فریقین کا عمل غلط ہوا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کیا بیہودہ استدلال ہے لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ۱) وہ جگہ جو نماز پڑھنے کے لئے وقف کردی گئی ہے اور جس پر زمانہ دراز سے

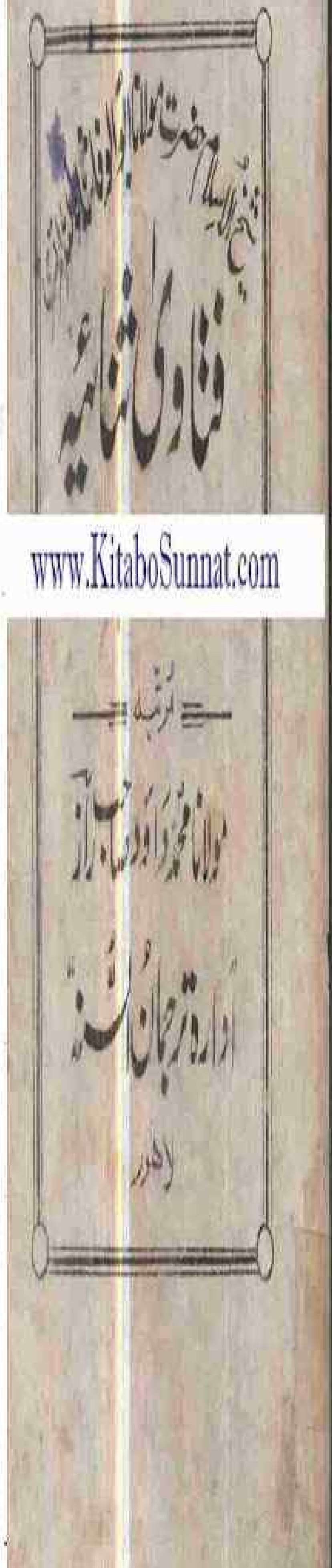

بوقت تکبیر تحریمہ رفع الیدین واجب ہے:

باوجودیکہ بہت ساری متواتر المعنی حدیث نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ اور آپ کی متابعت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی نماز میں بوقت تحریمہ رفع الیدین ترک نہیں کرتے تھے اور کسی بھی معتبر روایت میں اس رفع الیدین کی نفی نہیں کی گئی ہے، صرف اتنی بات ہے کہ بہت ساری احادیث میں بوقت تحریمہ رفع الیدین کا ذکر نہیں آیا ہے، مگر عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، لیکن فرقہ دیوبندیہ جو اکاذیب پرستی کے بحر ناپیدا کنار میں ڈوبا ہوا ہے، وہ اسے تسلیم کرتا ہے کہ اگرچہ بوقت تحریمہ رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے، مگر اس کی نفی پر کوئی دلیل نہیں اور احادیث متواترہ میں مذکور رفع الیدین کا ثبوت ہے، اس لیے اکاذیب پرست یہ فرقہ بوقت تحریمہ رفع الیدین کو سنت کہتا ہے، بلکہ بعض حنفیہ اسے واجب بھی کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے عین الھدایة شرح اردو ھدایة، مطبوع مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء (۱/ ۴۳۵ تا ۴۳۹، نیز عام کتب دیوبندیہ حنفیہ) حتی کہ بوقت تحریمہ رفع الیدین کرنے پر امام ابن المنذر نے دعویٰ اجماع کیا ہے، اس کا اعتراف خود فرقہ دیوبندیہ کو بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ کی شرح مذکور، ص: ۴۳۹)

جب متواتر المعنی حدیث سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا بوقت تحریمہ رفع الیدین کرنا ثابت ہے، تو اس فعل نبوی و فعل صحابہ کو فرض اور واجب نہ بتلانے والے فرقہ دیوبندیہ کا یہ دعوی کہ یہ بات صرف فعل نبوی و فعل صحابہ سے ثابت ہے، اس لیے یہ محض سنت ہے، دیوبندیہ کی خالص تلبیس کاری اور اکاذیب پرستی ہے، کیونکہ متواتر المعنی حدیث نبوی میں بصیغہ امر ”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ منقول ہے اور صیغہ امر اصلاً وجوب و افتراض کے لیے آتا ہے، الا یہ کہ کوئی معتبر قرینہ صارفہ اسے وجوب و افتراض سے پھیرنے والا ہو، اور یہاں کوئی بھی ادنیٰ ترین قرینہ صارفہ نہیں، اس لیے دیوبندی اصول ہی سے بوقت تحریمہ رفع الیدین کا افتراض و وجوب ثابت ہوتا ہے، مگر اکاذیب پرست یہ فرقہ اپنے جس اصول کے ذریعہ صدہا احادیث نبویہ کو رد کرنے کا عادی ہے اسی اصول کو بذریعہ اکاذیب اپنے ہاں مردود بھی قرار دے لیا کرتا ہے۔ انھیں مسائل میں سے زیر نظر مسئلہ بھی ہے۔

بوقت رکوع جھکتے اور اٹھتے بھی رفع الیدین فرض وواجب ہے:

ہمارے بیان کردہ جس اصول سے بوقت تحریمہ رفع الیدین واجب و فرض قرار پاتا ہے، اسی اصول سے بوقت رکوع جھکتے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا واجب و فرض ہونا التزامی طور پر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ متواتر المعنی حدیث نبوی ہی سے بوقت رکوع رفع الیدین آپ کا اور صحابہ کرام کا کرنا ثابت ہے، لہٰذا ”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ والے متواتر فرمان نبوی کے مطابق بوقت رکوع رفع الیدین مذکور کا واجب و فرض ہونا ثابت ہے، اور نماز کے اندر صرف انھیں دونوں فرائض کو فرض نہ ماننے اور بوقت رکوع رفع الیدین والا فرض بھی انجام نہ دینے کے سبب سارے دیوبندیہ کی نماز باطل و کالعدم ہوتی ہے اور اکاذیب پرست دیوبندیہ کی جو نماز شریعت کی نظر میں نماز ہی نہ ہوتی ہو،

اس مسئلہ پر مزید تفصیل وتحقیق کی خاطر میری کتاب ''مسئلہ رفع الیدین'' کا مطالعہ فرمائیں ان شاءاللہ بہت فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین سے ہمکنار فرمائے آمین یارب العالمین ۱۴۱۶/۴/۳ھ

س: نماز میں رفع الیدین فرض ہے یا سنت ہے؟ محمد نواز شاہد لدھیوالہ چیمہ

ج: فرض یا سنت کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آئی البتہ احادیث سے یہ چیز ضرور ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رفع الیدین کرتے تھے نیز رسول اللہ ﷺ کا حکم ﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ﴾ [1] [تم نماز اس طرح پڑھو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو] ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

س: رفع الیدین اور آمین بالجہر کے بارے میں بھی روشنی ڈالیں؟ عبدالواحد گوجرانوالہ 29/1/87

ج: رفع الیدین کرنا اور آمین بالجہر کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے رفع الیدین کے لیے بخاری، مسلم اور آمین بالجہر کے لیے ابوداود، ترمذی، مستدرک حاکم ملاحظہ ہوں۔ ۱۴۰۷/۶/۱ھ

س: رفع الیدین اونچی آواز میں آمین اور ہاتھ باندھنا۔ کیا ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟ محمد عادل لاہور 2/4/94

ج: رفع الیدین، اونچی آواز میں آمین اور ہاتھ باندھنے میں سے کسی ایک کو یا کوئی سے دو کو یا تینوں کو چھوڑ دینے سے رسول اللہ ﷺ والی نماز نہیں رہتی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی نماز جیسی ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: ﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ﴾ ۱۴۱۴/۱۰/۲۴ھ

س: رفع الیدین کے متعلق اکثر دوست کہتے ہیں کہ اس لیے رفع الیدین کیا گیا کہ منافق لوگ بغلوں میں بت لے کر آتے تھے اس سوال کا کیا جواب دیں کہ اس سوال کی تردید ہو سکے اور حقائق صحیحہ کا پتہ چل سکے حالانکہ ہمیں تو نبی ﷺ کی پیروی کا حکم ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: یہ بتوں والی بات کتاب وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی پھر اس بات کو کہنے والے خود تکبیر تحریمہ کے وقت اور وتروں میں دعائے قنوت کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا وہ بت لے کر آتے ہیں؟ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: کیا رفع الیدین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آغاز اسلام سے ہی کرنے کا حکم دیا تھا یا درمیان میں یا آخر میں۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے رفع الیدین نہ کیا؟

حافظ محمد فاروق کوٹ رادھا کشن ضلع قصور 27/9/99

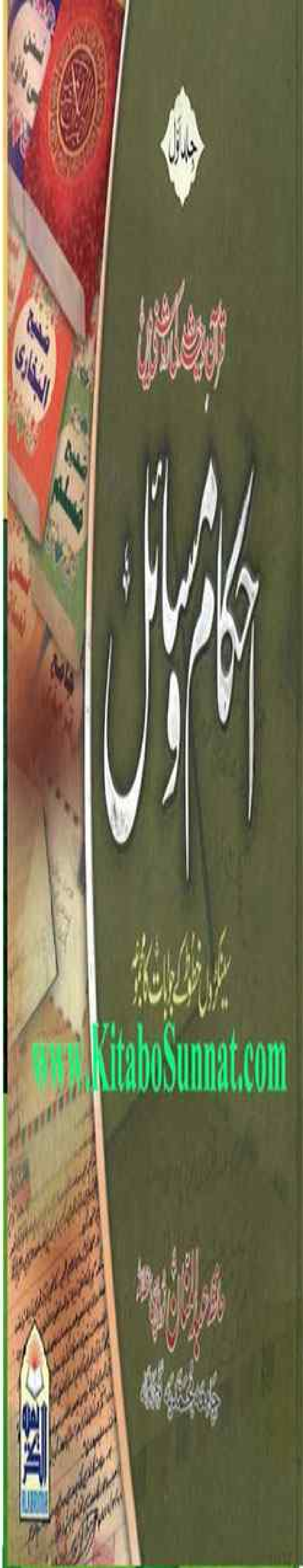

الحدیث تو اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اعتباراً اس میں دیکھا جائے گا'' اس کے بعد تیسرے مرتبہ میں ضعیف الحدیث کا ذکر کیا ہے۔ اگر لین الحدیث کے معنی ضعیف ہیں تو تفریق کے کیا معنی؟ یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لین الحدیث کے جو معنی مولانا صاحب نے بیان کئے ہیں وہ بہر حال غلط اور اصول سے صرف نظر کا نتیجہ ہے۔

(۳) رفع الیدین کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں مگر ترک رفع الیدین کی احادیث سنن میں ہیں اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک ایک اصول یہ ہے تعارض کے وقت صحیحین کی روایت کو ترجیح دی جائے گی اسی اصول کے جواب میں حضرت مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں:

''جواب نمبر ا: یہ ہے کہ روایات سنن بھی علی شرط الشیخین ہیں اس لئے ان کا مرتبہ وہی ہو گیا جو صحیحین کا ہے'' الخ (خزائن السنن: ص ۳۶۰)

غور فرمائیے حضرت شیخ الحدیث صاحب فرما رہے ہیں کہ صحیحین اور وہ روایات جو علی شرط الشیخین ہیں ان کا مرتبہ ایک ہے۔ حالانکہ اصول حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ صحیح حدیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جس پر امام بخاریؒ و مسلمؒ کا اتفاق ہو، یعنی صحیحین کی روایت ہو پھر وہ جسے صرف امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے تیسری قسم وہ جسے امام مسلمؒ لائے ہیں اور چوتھی قسم وہ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر ہو۔ پھر وہ حدیث جو امام بخاریؒ کی شرط پر ہو چھٹی وہ جو امام مسلمؒ کی شرط پر ہو پھر وہ جسے دیگر محدثین نے صحیح قرار دیا ہو۔ اس تقسیم کی تفصیل مقدمہ ابن الصلاح تقریب للنووی اور دیگر اصول کی کتابوں میں موجود ہے اور علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ:

فائدة التقسیم المذکور تظهر عند التعارض والترجیح. (تدریب الراوی: ص ۱۲۴ ج ۱)

''اس مذکورہ تقسیم کا فائدہ تعارض اور ترجیح کے وقت ظاہر ہوتا ہے'' اب تمام کتب اصول میں صحیح حدیث کی اعلیٰ قسم صحیحین کی روایت اور جو ''علی شرط الشیخین'' صحیح ہو

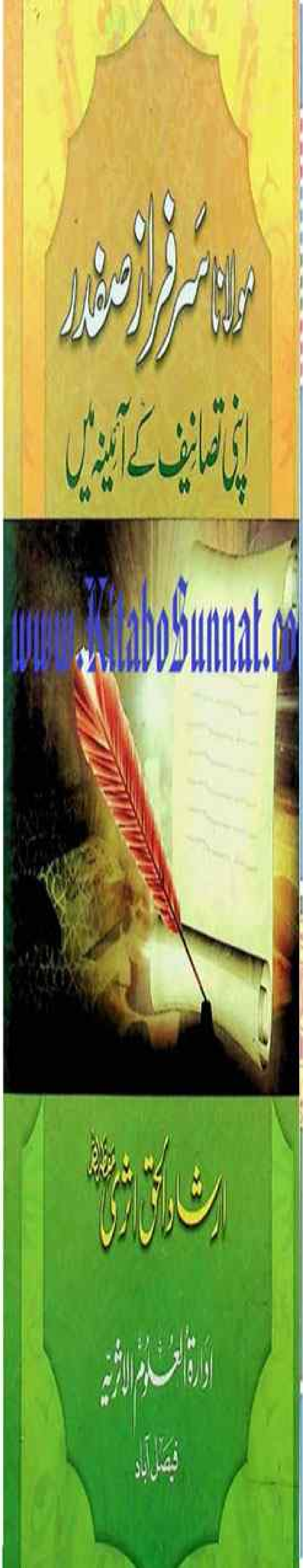

سجدہ میں جانے کا طریقہ

سوال: سجدہ میں جانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

جواب: سجدہ کی طرف جانے کے متعلق دو حدیثیں ہیں:

1- زمین پر پہلے گھٹنے رکھے جائیں، چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے (زمین پر) ہاتھوں سے پہلے رکھتے۔''

(ابوداؤد ج1 ص122، ترمذی ج1 ص36، نسائی ج1 ص165)

2- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے اور اونٹ کی طرح پہلے اپنے گھٹنے نہ رکھے۔''

(نسائی؛ ج1 ص165)

چونکہ دونوں قسم کی حدیثوں میں تعارض ہے اس مسئلہ کے حل کے لیے آثار صحابہ کو بنیاد بنایا گیا ان کو بنیاد بنا کر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ کو یوں حل فرمایا کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھنا سنت ہے البتہ اگر کسی کو مجبوری ہو تو وہ اس کے برعکس پہلے ہاتھ بھی زمین پر رکھ سکتا ہے جیسا کہ دوسری قسم کی حدیث میں ہے یا یہ حدیث منسوخ ہے چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے تھے پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھا کریں۔

(صحیح ابن خزیمہ)

آثار صحابہؓ:

1- ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے: ''حضرت عمرؓ اپنے گھٹنے ہاتھ سے پہلے رکھتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص294)

2- حضرت اسود تابعیؒ سے روایت ہے: ''حضرت عمرؓ سجدہ کرتے اپنے گھٹنوں پر۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص294)

3- حضرت نافعؒ سے روایت ہے: ''حضرت ابن عمرؓ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص295)

4- ابو اسحاقؒ سے روایت ہے: ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد جب سجدہ کی طرف جاتے ان کے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے گرتے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ)

5- حضرت ابراہیم نخعیؒ سے پوچھا گیا اس آدمی کے متعلق جو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے تو فرمایا: ''ایسا وہی کرتا ہے جو پاگل ہو۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص295)

نوٹ: چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے دینی مسائل میں قیاس و رائے چلانا شیطان کا کام ہے اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ شرک وشیطانیت سے بچتے ہوئے صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث سے ہر دو حدیثوں کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح فیصلہ پیش کریں اور اس حدیث کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کریں اور ایک لاکھ روپے کا انعام حاصل کریں۔

☆☆☆

جلسہ استراحت سنت یا نہیں ؟

سوال: پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں بیٹھیں نہیں۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں!!!

1- حضرت ابوحمید الساعدیؓ کی حدیث میں ہے: ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں۔''

(ابوداؤد؛ ج1 ص 107)

2- حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں (سجدہ سے) اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں: ''اہل علم کا عمل حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر ہے وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی (سجدہ سے دوسری اور تیسری رکعت کی طرف) اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔''

(ترمذی؛ ج 651)

3- حضرت ابو مالک الاشعریؓ نے اپنی قوم کو نماز سکھائی اس میں ہے: ''آپ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔''

(مسند احمد ج5 ص 343)

4- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز سکھائی اس میں فرمایا پھر تُو اطمینان سے سجدہ کر! پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جا۔''

(بخاری؛ ج2 ص 986)

5- جلیل القدر تابعی حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں: ''حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نماز میں (سجدہ سے) اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص 394)

6- عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بغور دیکھا میں نے دیکھا کہ آپ پہلی اور تیسری رکعت میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں اور بیٹھتے نہیں۔''

(معجم طبرانی کبیر؛ ج9 ص266، سنن کبری بیہقی؛ ج2 ص125)

7- حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب دوسرا سجدہ کر لیتے تو اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل جیسے ہوتے ویسے ہی کھڑے ہو جاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص394)

8: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز میں (سجدہ سے) اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص394)

9: امام اعمشؒ کہتے ہیں: "میں نے عمارہ بن عمیر کو ابواب کندہ کی جانب نماز پڑھتے دیکھا سو میں دیکھا کہ آپ نے رکوع کیا پھر سجدہ کیا جب آپ دوسرے سجدے سے اٹھے تو جیسے تھے ویسے ہی کھڑے ہوئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا مجھ سے عبدالرحمٰن بن زید نے حدیث ابراہیم نخعیؒ سے بیان کی انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہیں امام اعمش کہتے ہیں میں یہ حدیث بیان کی ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے امام اعمش کہتے ہیں پھر میں نے یہ حدیث خثیمہ بن عبدالرحمان سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے امام اعمش کہتے ہیں میں نے یہ حدیث محمد عبداللہ ثقفی سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمان بن ابی لیلی کو دیکھا ہے کہ وہ ابھی اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہیں امام اعمش کہتے ہیں میں نے یہ حدیث عطیہ عوفیؒ سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوسعید خدری کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(سنن کبری بیہقی؛ ج1 ص125)

10: حضرت نعمان بن ابی عیاشؒ فرماتے ہیں میں نے نبی پاک ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ جب وہ دوسری اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اپنا سر اُٹھاتے تھے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ج1 ص395)

11: احادیث کے جامع اول امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو وہ

ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا اور بیٹھتا نہیں تھا۔

فائدہ: اس کے برعکس بعض روایات میں دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنے پھر کھڑے ہونے کا ذکر بھی آتا ہے چنانچہ حضرت مالک بن الحویرثؓ نے نبی پاک ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی پس انہوں نے پہلی رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا تو پہلے بیٹھ گئے پھر کھڑے ہوئے (ابوداؤد؛ ج 1 ص 122) حضرت مالک بن الحویرث کی ایک اور روایت میں ہے انہوں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ طاق رکعت (پہلی اور تیسری) میں بیٹھے پھر کھڑے ہوئے (ابوداؤد: ج 1 ص 122، ترمذی ج 1 ص 64، بخاری ج 1 ص 113) چونکہ پہلی قسم کی روایات اور دوسری قسم کی روایات میں تعارض ہے لہذا یہ مسئلہ اجتہادی بن گیا سو اس مسئلہ کے حل میں ہم نے اپنے امام مجتہد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اجتہاد پر اعتماد کیا ہے اور ان کی اجتہادی رائے یہ ہے کہ دوسرے سجدہ سے سر اُٹھا کر سیدھا دوسری اور چوتھی رکعت کی طرف کھڑا ہو جانا سنت ہے البتہ مجبوری اور عذر ہو تو پھر پہلے بیٹھ کر کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ دوسری قسم کی روایات میں ہے چنانچہ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بوڑھے، بیمار متبدن لوگ ایسا ہی کرتے ہیں نبی پاک ﷺ کا بیٹھ کر پھر اٹھنا اس زمانہ پر محمول ہے جب آپ متبدن ہو گئے تھے اور ضعف بھی آ گیا اس وقت آپ کا طریقہ اس عذر کی وجہ سے پہلے والے مسنون طریقہ سے مختلف ہو گیا تھا اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت معاویہؓ سے وہ ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے رکوع، سجود میں سبقت نہ کیا کرو۔

"انی قد بدنت" کیونکہ میں بھاری بدن والا ہو گیا ہوں نیز بخاری ج 1 ص 113 پر حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے بقول ابی قلابہؒ حضرت مالک بن الحویرث نے نماز رسول اللہ ﷺ پڑھ کر دکھائی تو اس میں وہ سجدہ سے اٹھ کر تھوڑی دیر بیٹھے پس انہوں نے نماز پڑھی ہمارے بوڑھے عمرو بن سلمہؓ کی طرح حضرت ابوایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں عمرو بن سلمہؒ نماز میں ایک ایسی چیز کرتے کہ میں نے دوسرے حضرات کو اس طرح کرتے نہیں دیکھا وہ تیسری رکعت کے اخیر میں یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے پس آپ ﷺ کا یہ بیٹھنا بوجہ عذر تھا نہ بطور سنت و شرعی حکم اور حضرت مالک بن الحویرثؓ نے اسی نماز کا نقشہ پیش کیا

نوٹ: اس مسئلہ میں احادیث متضاد ہیں چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک اور دین میں رائے و قیاس شیطانی فعل ہے اس لیے وہ اس شرک اور شیطنت سے بچتے ہوئے صرف اور صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کریں جس میں ان

روایات کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح فیصلہ ہو اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

خالد گرجاکھی صاحب کا جھوٹ:

غیر مقلدین کے عالم جناب خالد گرجاکھی صاحب نے لکھا ہے: ''بعض لوگ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں حالانکہ یہ سنت ثابتہ ہے، فقہ حنفی میں اس کا سنت ہونا موجود ہے۔''
(ہدایہ ج 1 ص 383، صلوۃ النبی ﷺ ص 174)

اگر غیر مقلدین ہدایہ میں جلسہ استراحت کا سنت ثابتہ ہونا دکھا دیں اور ہدایہ کی عربی عبارت تحریر کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ لوگو! کب تک قرآن و حدیث کے نام پر دھوکہ کھاتے رہو گے؟

☆☆☆

جلسہ استراحت سنت ہے یا مستحب؟؟؟

(ابن باز) جلسہ استراحت واجب نہیں ہے۔(۱) جلسہ استراحت کو غیر مسنون کہنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ ینهض فی الصلاۃ علی صدور قدمیه﴾ ''نبی ﷺ نماز میں اپنے دونوں قدموں کے پنجوں پر کھڑے ہوتے تھے۔''(۲)

(2) ایک روایت میں ہے کہ ﴿أنه ﷺ کان یقوم کأنه السهم﴾ ''آپ ﷺ تیر کی مانند کھڑے ہو جاتے تھے۔''(۳)

(3) صاحب ہدایہ نے جلسہ استراحت کو بڑھاپے پر محمول کیا ہے (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے آپ ﷺ اطمینان سے بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے)۔(۴) اس کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ ''یہ تاویل کسی دلیل کی محتاج ہے۔''(۵)

بلاشبہ آپ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے جدا ہوتے وقت فرمایا تھا ﴿صلوا کما رأیتمونی أصلی﴾ ''تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے'' اور وہی صحابی جلسہ استراحت کا اثبات بیان کر رہے ہیں (خود راوی حدیث نے جب اسے بڑھاپے پر محمول نہیں کیا تو کسی اور کا ایسا کرنا نا قابل اعتبار ہے) لہٰذا حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسئلہ میں حجت ہے۔

(راجح) جلسہ استراحت سنت و مستحب ہے اور جن احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے وہ اس کے عدم جواز کی نہیں بلکہ عدم وجوب کی دلیل ہیں۔(۶)

ابتدائے نماز میں تکبیر کہنا واجب ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [المدثر: ۳] ''اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔''

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿مفتاح الصلاۃ الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم﴾ ''نماز کی کنجی وضوء ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔''(۷)

(۱) [الفتاوی الإسلامیة (۲٤۷/۱)]

(۲) [ضعیف: ضعیف ترمذی (٤۷) کتاب الصلاۃ: باب کیف النهوض من السجود، إرواء الغلیل (۳٦۲) ترمذی (۲۸۸)] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کی سند میں) خالد بن الیاس راوی کہ جسے خالد بن ایاس بھی کہا جاتا ہے اہلحدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کہتے ہیں کہ خالد بن ایاس متروک ہے۔ [تحفة الأحوذی (۱۸۱/۲)] حافظ ابن حجرؒ بھی اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔ [تقریب التهذیب (۲۱۱/۱)] امام ذہبیؒ رقمطراز ہیں کہ امام بخاریؒ اس راوی کو کچھ حیثیت نہیں دیتے اور امام احمدؒ اور امام نسائیؒ اسے متروک کہتے ہیں۔ [میزان الإعتدال (٤۰۷/۲)]

(۳) [مجمع الزوائد (۱۳۸/۲) اس کی سند میں خطیب بن محمد راوی کذاب ہے۔]

(٤) [کما فی تحفة الأحوذی (۱۷۸/۲)]

(٥) [الدرایة (۱٤۷/۱)]

(٦) [تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباری (٥٦٤/۲) نیل الأوطار (۱۰۱/۲) تحفة الأحوذی (۱۸۲/۲) سبل السلام (٤۳۰/۱)]

(۷) [حسن: صحیح أبو داود (٥۷۷) کتاب الصلاۃ: باب الإمام یحدث بعد ما یرفع رأسه..... أبو داود (٦۱۸) ترمذی (۳) ابن ماجة (۲۷٥) أحمد (۱۲۹/۱) دارمی (۱۷٥/۱)]

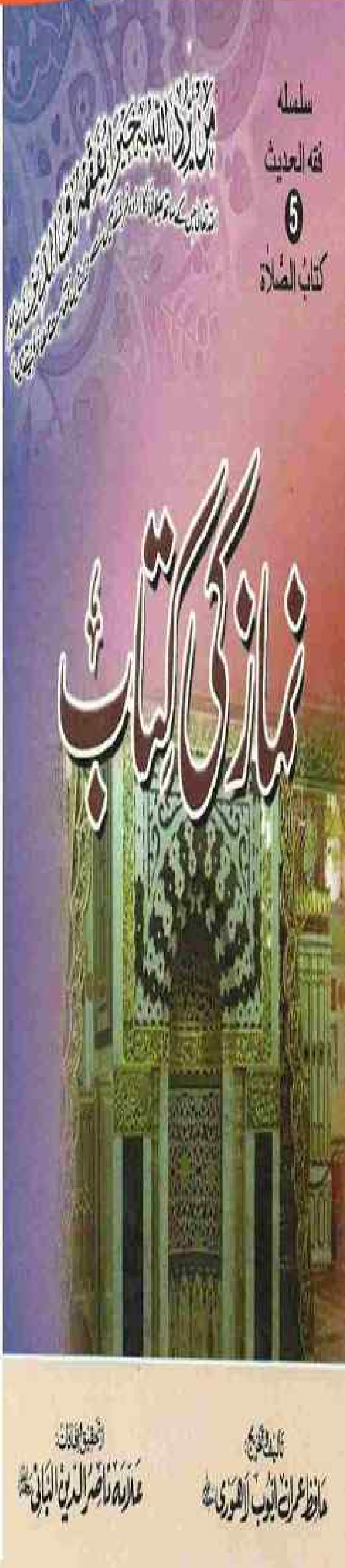

سجدہ میں زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا سنت ھے

سوال: سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگانا کیسا ہے؟

جواب: بغیر ٹیک لگائے اٹھنا سنت ہے، ٹیک لگا کر اٹھنا خلاف سنت ہے۔ ثبوت یہ ہے!!!

1- حضرت نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں: ''انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے۔''

(ابوداوٗد: ج1 ص142)

2- حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ سجدے سے کھڑے ہوتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔''

(ابوداوٗد ج1 ص122، ترمذی ج1 ص32، نسائی ج1 ص165)

3- حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے: ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اٹھے تو اٹھے اپنے گھٹنوں کے بل پر اور اپنی رانوں پر سہارا لیا۔''

(ابوداوٗد: ج1 ص122)

فائدہ: بعض حدیثوں سے زمین پر ٹیک لگا کر اٹھنا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے۔ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْاَرْضِ اِذَاقَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ یعنی اس بات کا بیان کہ جب نمازی رکعت سے کھڑا ہوگا تو کیسے زمین پر ٹیک لگائے گا اور آگے حدیث نقل کی کہ حضرت ابو قلابہؓ کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن الحویرثؓ ہماری اس مسجد میں آئے پس ہمیں نماز پڑھائی پھر فرمایا: ''میں نے تمہیں نماز پڑھائی ہے لیکن میرا مقصود نماز نہیں بلکہ یہ مقصود تھا کہ میں نے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ویسے تمہیں دکھاؤں۔''

ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو قلابہؓ سے پوچھا: ''ان کی نماز کیسے تھی؟ ابو قلابہؓ نے کہا: '' ہمارے اس بوڑھے عمرو بن سلمہؓ کی نماز کی مانند۔'' حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں: ''یہ شیخ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر سہارا لگا کر پھر کھڑے ہوتے جب دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہوا تو اب آثار صحابہ وتابعین سے

رہنمائی لی جائے گی اور ان آثار کی روشنی میں ان احادیث کی تشریح وتوضیح کی جائے گی۔
چند آثار یہ ہیں:

1- حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''فرض نماز میں سنت یہ ہے کہ جب آدمی پہلی دو رکعتوں میں کھڑا ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک نہ لگائے مگر یہ کہ کوئی بہت بوڑھا ہو جو طاقت نہیں رکھتا۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ ص 432)

2- محمد بن سیرینؒ (سجدہ سے اٹھتے وقت) ٹیک لگانے کو ناپسند کرتے تھے۔

3- ابراہیم نخعیؒ اس کو مکروہ سمجھتے مگر یہ کہ بہت بوڑھا یا مریض ہو۔ ان آثار سے مسئلہ حل ہو گیا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ زمین پر ٹیک لگائے بغیر کھڑا ہو جائے۔ البتہ اگر مجبوری ہو مثلاً: ''بیمار، بوڑھا، بھاری بدن کا آدمی، جس کو بغیر ٹیک لگانے کے کھڑے ہونے میں مشقت ہو تو ایسے لوگ ٹیک لگا سکتے ہیں۔''

نوٹ: دونوں قسم کی روایات میں تعارض وتضاد ہے چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتی کی تقلید شرک اور بغیر وحی کے پیغمبر کی بات بھی ان کے نزدیک حجت نہیں تو کسی امتی کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے اس لیے وہ ان متضاد روایات کا فیصلہ اور اس مسئلہ کا حل حدیث صحیح، صریح، مرفوع اور متصل میں دکھا دیں اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے!!!

☆☆☆

التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ

سوال: التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

جواب: درمیان والا قعدہ ہو یا آخری۔ دونوں میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھنا اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا۔ ثبوت یہ ہیں:

1- حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں: ''میں مدینہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا۔ سو جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھا۔'' امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

(ترمذی؛ ج1 ص65)

2- حضرت عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔

(سنن نسائی؛ ج1 ص130)

3- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔''

(مسلم؛ ج1 ص194)

4- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (التحیات میں) اکڑوں بیٹھنے سے اور تورک (یعنی دونوں پاؤں یا ایک پاؤں بائیں طرف نکال کر کولہے پر بیٹھنے) سے منع فرمایا۔

(سنن کبری بیہقی؛ ج2 ص120)

5- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (التحیات) میں اکڑوں بیٹھنے سے اور تورک (یعنی دونوں پاؤں یا ایک پاؤں یا دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہے پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(مجمع الزوائد؛ ج2 ص86)

6- حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکڑوں بیٹھنے اور

تورک کرنے سے منع فرمایا۔

(ص86ج2)

فائدہ: بخاری ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ حضرت اب حمید الساعدیؓ کی روایت ہے اس میں التحیات کے اندر بحالت تورک بیٹھنا ثابت ہے جس پر دس صحابہ کرامؓ نے شہادت دی۔ چونکہ التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت کے بارہ میں احادیث متعارض ہیں اس لیے ان احادیث کو اور اس مسئلہ کو آثار صحابہ وتابعین کی رہنمائی میں حل کیا جائے گا۔

چند آثار صحابہؓ یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''نماز کی سنت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ص318)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ''سنت یہ ہے کہ آپ نماز میں اپنی دنوں سرینوں کو اپنی ایڑیوں پر رکھ لیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ؛ص319)

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں: ''التحیات میں اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کہ اس سے تیری نماز درست اور کمر سیدھی رہے گی۔'' معلوم ہوا کہ التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہی ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا جائے اور بائیں پاؤں کو بچھا دیا جائے اور تورک والی روایات حالت عذر پر محمول ہیں۔ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عذر کی وجہ سے اس طرح بیٹھے ہوں اور ظاہر ہے کہ مجبوری اور عذر کی حالت میں کوئی طریقہ متعین نہیں رہتا نمازی کے لئے جس طرح عذر کی حالت میں بیٹھنا ممکن ہو وہ اسی طرح بیٹھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بخاری ج1 ص 114 پر ہے کہ ان کو ان کے فرزند عبداللہ نے دیکھا کہ وہ نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھتے ہیں تو عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر میں بھی اسی طرح بیٹھ گیا اور اس وقت میں نوعمر تھا پس میرے والد عبداللہ بن عمرؓ نے منع فرمایا اور فرمایا

''اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوۃِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنٰی وَ تُثْنِّی الْیُسْرٰی''

(بیٹا) صرف اور صرف سنت یہ ہے کہ تو اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھ اور بائیں پاؤں کو موڑ کر رکھ۔ میں نے کہا: ''(ابا جی) آپ تو چوکڑی مار کر بیٹھتے ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے یعنی یہ عذر کی وجہ سے ہے۔''

نوٹ: ہم غیر مقلدین سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہر سہ اصولوں کی پابندی کرتے

ہوئے صرف اور صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع اور متصل حدیث میں ان متعارض احادیث اور اس مسئلہ کے بارے میں صراحتاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ دکھائیں اور ایک لاکھ روپیہ انعام پائیں ورنہ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، سب مقلدین کو مشرک اور دوزخی کہنے کی بدزبانی سے باز آجائیں۔

غیر مقلدین کی صحبت کا انجام:

غیر مقلدین کا ایک گروہ حج جہاز پر سوار ہوا، اسی روز انہوں نے نماز مغرب کی جماعت کا انتظام کیا۔ میں (حبیب الرحمٰن شروانی) بھی جماعت میں شریک ہو گیا اس کے بعد بارش اور ہوا کا سلسلہ شروع ہوا عشاء کی نماز ان لوگوں نے میرے کمرے میں آ کر جماعت کے ساتھ پڑھی اس وجہ سے اتفاقاً ان کی جماعت میں پھر دوبارہ شرکت ہوگئی صبح کو اس کا اثر قلب پر سخت ہوا۔ میں اس انقباض (قساوت قلبی اور قلبی غفلت) کی کیفیت سے گھبرا گیا جذب القلوب (جو تصوف اور روحانیت کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب ہے) کے مطالعہ سے قلب میں رقت پیدا ہوئی اور اس کے اثر سے یہ کیفیت رفع ہوئی۔ پھر نماز ان کے ساتھ نہیں پڑھی۔

(سفر نامہ حج نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی ص 13)

عبرت: جو لوگ غیر مقلدین کے ساتھ دوستی یا تعلق رکھتے ہیں ان کی صحبت و مجلس میں رہتے ہیں ان کی مساجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

تمت بالخیر

☆☆☆